157
جاسوسی سیریز
موت کا تجربہ
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
اشتیاق احمد

موت کا تجربہ

اشتیاق احمد

ناشر : طاہر ایس ملک

تزئین : محمد سعید تامدار

سرورق : انداز

طاہر ایس ملک
نے (صفدر علی) عبدالرشید پرنٹرز، لاہور
سے چھپوا کر
انداز پبلی کیشنز (مطبوعات اشتیاق) لاہور
سے شائع کیا ہے

قیمت : [illegible]/- روپے

انداز پبلی کیشنز
سیکنڈ فلور میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور۔

مطبوعاتِ اشتیاق
۲/۹ نصیر آباد، سر پور، ساندہ کلاں، لاہور
فون : ۴۲۴۲۵۹ — ۷۱۱۲۹۹۹۔

حدیث شریف

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبیِ کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :
اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر رضی اللہ عنہ کی زبان
پر جاری کیا اور دل میں پیدا کیا ہے —

=ترمذی=

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ـــــ
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ـــــ
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ـــــ
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ـــــ
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں۔ پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

ـ شکریہ ـ

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

جس وقت میں یہ دو باتیں لکھ رہا ہوں، اس وقت ملک کے مختلف شہروں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ قتل و خون کا ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے، بے شمار آدمی مارے جا چکے ہیں اور ان گنت آدمی زخمی ہو چکے ہیں۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ یہ شیعہ سنی فساد نہیں ہے، تخریب کاروں کی کارستانی ہے، پاکستان کے خلاف سازش کرنے والوں کا کام ہے۔ یہ تمام باتیں تسلیم۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ لڑائی ان دو فریقوں کے درمیان ہو رہی ہے۔ چاہے جس بنا پر بھی ہو رہی ہے۔ سنی لوگ عبادت اپنی مساجد میں کرتے ہیں یا عید کی نماز ادا کرنے شہر سے باہر جاتے ہیں۔ شیعہ حضرات کو بھی چاہیے کہ اپنی عبادت

اپنی عبادت گاہوں میں کریں — یا شہر سے باہر جا کر کریں — اس طرح کسی تخریب کار یا شرپسند کو قتل اور خون کا ڈرامہ کھیلنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا — اور ملک ہر سال اس قسم کے خطرے سے دوچار نہیں ہوا کرے گا — یہ مطالبہ پہلے بھی گونجتا رہا ہے، اس بار اس مطالبے کی گونج شدید ہو گئی ہے — نہ جانے یہ گونج اربابِ اقتدار کے کانوں میں کب پہنچے گی — وہ دن کب آئے گا — آپ بھی دعا کریں — اور میں بھی —

دستک دینے والا

پائیں باغ کی کھڑکی پر دستک کی آواز نے انھیں چونکا دیا —

" صدر دروازے کے ہوتے ہوئے کسی کو کھڑکی پر دستک دینے کی کیا ضرورت پیش آ گئی — وہ بھی شام کے وقت " محمود بڑبڑایا۔

" تم نے شام کے وقت کیوں کہا — کیا کسی اور وقت ایسا کیا جا سکتا ہے؟" فاروق نے اسے گھورا۔

مطلب یہ کہ دستک دینے والا اگر آنکھوں والا بھی ہے تو ابھی دن کی روشنی موجود ہے اور اس روشنی میں گھر کا دروازہ صاف نظر آ سکتا ہے۔" محمود نے جواب دیا۔

اسی وقت دستک دوبارہ ہوئی —

" ہم اپنی باتوں میں لگ گئے — اور وہ بے چارہ ہماری کھڑکی پر کھڑا ہے۔" فرزانہ بھنا اٹھی۔

" تو کیا ہوا، دروازے پر تو نہیں کھڑا نا۔" فاروق مسکرایا۔

... پھر محمود کھڑکی کھولنے کے لیے آگے بڑھا:

"دوسری طرف کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے - لہٰذا ہوشیار رہو۔"

"فکر نہ کرو - ہم تو ہمیشہ ہی ہوشیار رہتے ہیں - بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا اور ہوشیاری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"شکریہ!" محمود نے منہ بنایا اور کھڑکی کھولتے ہی دیوار کے ساتھ لگ گیا -

ادھر فاروق اور فرزانہ اب کمرے میں کہیں نظر نہیں آ رہے تھے - دوسرے ہی لمحے کوئی اندر آ گیا - اور اس نے کھڑکی بند کر لی -

محمود نے دیکھا - وہ ایک عجیب سی شکل اور جسم کا آدمی تھا، شاید اس نے اپنی زندگی میں اتنا عجیب آدمی کبھی نہیں دیکھا تھا -

"ارے! یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے - تو پھر دروازہ کس نے کھولا تھا۔" محمود نے اس کی بھدی سی آواز سنی -

"دروازہ میں نے کھولا تھا۔" محمود بول اُٹھا -

وہ چونک کر مڑا -

"اوہ - تو آپ یہاں موجود ہیں - شکریہ!" وہ خوش ہو گیا -

"شکریہ کس بات کا - یہاں موجود ہونے کا یا کھڑکی کھولنے کا -"

"کھڑکی کھولنے کا بھی اور موجود ہونے کا بھی - ورنہ میں کہاں جاتا۔"

"آپ نے دروازے کی بجائے کھڑکی پر دستک کیوں دی؟" محمود نے پوچھا -

"اس لیے کہ میں جانتا ہوں - یہ وقت آپ اپنے کمرے میں گزارنے کے عادی ہیں۔"

"کیا مطلب - آپ یہ بات کس طرح جانتے ہیں؟"

"مجھے غور سے دیکھیے - آپ سمجھ جائیں گے۔"

"مگر میں تو آپ کو پہلے ہی غور سے دیکھ رہا ہوں۔" محمود نے گھبرا کر کہا -

"تت - تو پھر اور غور سے دیکھیں۔" اس نے جلدی سے کہا -

"اچھی بات ہے، اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو ادھر بیٹھ جائیے، اس کرسی پر - تاکہ میں اطمینان سے اور غور سے آپ کو دیکھ سکوں۔" محمود بولا -

"لل - لیکن - وہ کہاں ہیں؟"

"وہ کون؟"

"آپ کے بھائی اور بہن - جب تک آپ تینوں مجھے غور سے نہیں دیکھیں گے، اس وقت تک کام نہیں چلے گا۔"

"اچھی بات ہے - آپ بیٹھ تو جائیے - وہ بھی ابھی سامنے آ

جاتے ہیں؟"

وہ کرسی پر بیٹھنے کے لیے جھکا اور جوں ہی سیدھا ہوا، چونک پڑا، فاروق اور فرزانہ اب اس کے سامنے کھڑے تھے:

"ہائیں! دروازے میں سے تو میں نے آپ دونوں کو اندر آتے ہوئے نہیں دیکھا؟"

"اس بات کو چھوڑیے- اور یہ بتائیے- آپ کون ہیں، ہمیں کس طرح جانتے ہیں؟"

"میں نے کہا نا- مجھے غور سے دیکھیے؟" اس نے منہ بنایا۔

"آؤ بھئی- انھیں غور سے دیکھیں۔"

تینوں اس کے سامنے بیٹھ گئے اور اس پر نظریں جما دیں، اب تینوں کو اس کا پوری طرح جائزہ لینا پڑا- اس شخص کا چہرہ بہت بڑا اور بھاری بھر کم تھا- جب کہ جسم نہایت پتلا دبلا اور چھوٹا سا تھا- اور اس وجہ سے وہ عجیب لگ رہا تھا- بلکہ عجیب و غریب لگ رہا تھا-

"ہم آپ کو غور سے دیکھ چکے ہیں، لیکن افسوس کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔"

"یہ کیا بات ہوئی- کیا آپ لوگوں کی یادداشت کمزور ہو گئی ہے؟"

"نن نہیں تو- ایسی تو کوئی بات نہیں- اور نہ ابھی کمزور

ہونے کے آثار ہیں- بلکہ شاید ابھی بہت عرصے تک کمزور نہ ہو۔" فاروق نے برا مان کر کہا۔

"اس صورت میں آپ کو چاہیے کہ مجھے پہچان لیں۔" اس نے پرزور لہجے میں کہا۔

"دیکھیے جناب- ایک بات ہے- آپ کا چہرہ ضرور دیکھا بھالا نظر آ رہا ہے- اور اگر اس چہرے کے نیچے ایک بھاری بھر کم اور لمبا چوڑا جسم ہوتا تو ہم کب کا یہ فیصلہ دے چکے ہوتے کہ آپ ہمارے دوست فیاض بھالی کے والد ہیں- فیاض بھالی ہمارا کلاس فیلو ہے- ارے ہاں- آج وہ سکول نہیں آیا تھا۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ٹھیک پہچانا- اب مجھے یقین آ گیا۔" وہ خوش ہو گیا۔

"جی- کس بات پر یقین آ گیا- اور ہم نے ٹھیک کیا پہچانا، ابھی تو ہم نے آپ کو پہچانا ہی نہیں۔"

"نہیں نہیں- آپ مجھے پہچان چکے ہیں- مجھے بھی یقین آ گیا ہے کہ آپ کی یادداشت خراب نہیں ہوئی۔"

"پتا نہیں- آپ کیا کہ رہے ہیں- مہربانی فرما کر پہلے آپ اپنا تعارف کروا دیں۔"

"میں سلمان بھالی ہوں- فیاض بھالی کا والد۔"

"کیوں مذاق کرتے ہیں جی- ہماری نظریں کمزور نہیں ہیں۔"

"اسی لیے میں نے کہا تھا۔ مجھے غور سے دیکھیں۔"

"اور ہم غور سے دیکھ چکے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تو میں آپ کو سلمان بھائی نظر نہیں آیا؟"

"چہرے کی حد تک تو ضرور محسوس ہوتے ہیں، لیکن اس دھڑ والا آدمی سلمان بھائی کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"بس۔ آپ نے پکڑ لی۔"

"ہم نے بس پکڑ لی۔ ارے میاں جاؤ۔ ہم کیوں پکڑنے لگے بس۔ اوّل تو ہمارے پاس موٹر سائیکلیں ہیں۔ پھر گھر میں ایک عدد کار بھی ہے۔ دوسرے دفتر کی طرف سے جیپ بھی ملی ہوئی ہے۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"آپ غلط سمجھے۔ بس میں نے ان معنوں میں نہیں بولا۔ میرا مطلب تھا۔ آپ نے اصلی بات پکڑ لی۔"

"اوہ۔ تو آپ کا یہ مطلب تھا؟" فرزانہ چونکی۔

"اگر یہ مطلب تھا تو بھی بالکل غلط ہے۔ ہم نے ابھی تک اصلی تو کیا نقلی بات بھی نہیں پکڑی۔" فاروق نے کہا۔

"ہم۔ میں سلمان بھائی ہوں۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔"

اس نے پوری طاقت سے چیخ کر کہا۔ وہ دم بخود رہ گئے کہ نہ جانے یکایک اس شخص کو کیا ہو گیا، ابھی ابھی تو

بہت نرم گرم انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر اندرونی دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور بیگم جمشید کی بوکھلائی ہوئی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

"تم لوگ اندر کس سے لڑ رہے ہو؟"

"ہم لڑ نہیں رہے امی جان۔ صرف باتیں کر رہے ہیں۔"

"صرف باتیں اس انداز میں تو نہیں کی جاتیں۔"

"جی ہاں۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ ذرا ہمارے ملاقاتی کا لہجہ بہت اونچا ہو گیا تھا۔"

"تو اندر کوئی ملاقاتی موجود ہیں؟" بیگم جمشید بولیں۔

"جی ہاں بالکل۔"

"لیکن یہ ملاقاتی اندر کس ذریعے سے آئے؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پائیں باغ کی کھڑکی سے۔" محمود نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"یہ ابھی ہم ان سے پوچھ رہے ہیں امی جان۔ ویسے آپ کو

فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارے کسی حد تک واقف ہی ہیں۔" محمود نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور جانے کے لیے مڑ گئیں۔

"ہاں جناب۔ اب آپ کیا کہتے ہیں۔ پہلے پہلے تو یہی بتا دیں کہ آپ اصل دروازے کی بجائے اس طرف سے کیوں آئے؟"

"میں چاہتا تھا۔ گھر میں صرف آپ لوگ مجھے دیکھ سکیں۔"

"کیوں۔ اگر ہماری امّی جان آپ کو دیکھ لیتیں تو کیا ہو جاتا۔"

"ہوتا تو کچھ بھی نہ۔ بس۔ یوں سمجھ لیں کہ مجھے یہی مناسب معلوم ہوا تھا کہ ادھر سے آؤں۔"

"چلیے خیر۔ اس بات کو جانے دیں۔ اب یہ بتائیے۔ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ آپ مجھے پہچان لیں۔" اس نے فکر مندانہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"ہاں! میں چاہتا ہوں، آپ مجھے پہچان لیں۔ اور میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔"

"کیوں! ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟"

"بات یہ ہے کہ میرے گھر کے لوگ بھی مجھے سلمان بھائی ماننے

کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"ہاں۔ آپ ہی بتائیں، میں کیا کروں۔" اس نے کہا۔

"صبر۔ کیوں کہ سلمان بھائی کے گھر والے غلط نہیں کہتے۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ آپ سلمان بھائی نہیں ہیں۔"

"اور میرا دعویٰ ہے کہ میں سلمان بھائی ہوں۔"

"آخر کیسے۔ اس کا ثبوت کیا ہے؟"

"ثبوت۔ کیا آپ میرا چہرہ نہیں دیکھ رہے؟"

"بالکل دیکھ رہے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم آپ کا دھڑ بھی دیکھ رہے ہیں، ہم آپ کے اس دھڑ کو کس خانے میں فٹ کریں۔"

"اس بات نے مجھے بھی پریشان کر رکھا ہے۔"

"کیا مطلب؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"میں بھی نہیں جانتا۔ میرے دھڑ کو کیا ہو گیا۔" اس نے کہا۔

"دیکھیے جناب۔ ہم سے مذاق نہ کریں۔ اگر آپ کا دھڑ کسی بیماری وغیرہ سے پتلا دبلا ہو گیا ہے تو چہرہ بھی اسی لحاظ سے پتلا دبلا ہو جانا چاہیے تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ کا لمبا چوڑا جسم صرف پتلا تو ہو سکتا ہے۔ لمبائی کے لحاظ سے کم کس

طرح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ سلمان جمالی نہیں ہیں۔"

"افسوس۔ آپ نے بھی بالکل وہی بات کہی۔ جو میرے گھر والے کہہ رہے ہیں۔" وہ بڑبڑایا۔

"تو پھر، ہمیں کیا کہنا چاہیے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میں بہت امید لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ مہربانی فرما کر غور فرمائیں۔"

"کس بات پر۔ جب کہ آپ ہی ہمیں کچھ بتانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

"مجھے جو کچھ معلوم ہے۔ بتائے دیتا ہوں۔"

"چلیے پھر بتائیے، تاکہ ہم بھی آپ کے لیے کچھ کرنے کے بارے میں سوچ سکیں، آخر آپ ہمارے کلاس فیلو کے والد ہیں، ویسے آج فیاض سکول کیوں نہیں آیا؟"

"اس کی وجہ بھی ابھی سامنے آجائے گی۔ چار روز پہلے میں کاروباری سلسلے میں اپنے گھر سے نکلا۔ مجھے دوسرے شہر روانہ ہونا تھا اور اپنے گھر سے ہوائی اڈے جانا تھا۔ تین روز بعد میری واپسی ہونی تھی۔ یعنی آج صبح۔ کار باہر تیار کھڑی تھی۔ میں گھر والوں سے رخصت ہو کر باہر نکلا اور کار میں بیٹھ گیا۔ کار روانہ ہوئی۔ میں کار میں بیٹھ کر اخبار پڑھنے میں مصروف

ہو گیا۔ اور اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو میں کار میں ہی تھا اور ڈرائیور غائب تھا۔ میں نے حیرت زدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھا، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کہاں ہوں، کار ایک سنسان جنگل میں کھڑی تھی اور دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے جہاز کا خیال آیا۔ کہ کہیں وہ نکل نہ گیا ہو۔ جلدی سے گھڑی پر نظر ڈالی تو صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ جب کہ میں اپنے گھر سے صبح کے سات بجے روانہ ہوا تھا۔ وقت الٹا تو چل نہیں سکتا تھا۔ اس لیے پہلا خیال یہ آیا کہ شاید میں بیس بائیس گھنٹے سوتا رہا ہوں۔ یہ ایک حیرت انگیز خیال تھا۔ جلدی سے گھڑی کی تاریخ پر نظر ڈالی۔ تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ گھڑی تین دن بعد کی تاریخ بتا رہی تھی۔ یعنی میری واپسی کی تاریخ۔ لیکن میرا ذہن تو مجھے بتا رہا تھا کہ میں نے سفر کیا ہی نہیں۔ آخر بہت دیر تک گم صم بیٹھے رہنے کے بعد اور کسی نتیجے پر نہ پہنچنے پر میں نے خود کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور روانہ ہوا۔ شہری حدود میں پہنچ کر راستا یاد آ گیا۔ اور میں گھر پہنچ گیا۔ ہارن بجایا تو ملازم نے دروازہ کھولا۔ میں کار کو اندر لیے چلا گیا۔ کار سے اترنے سے پہلے میں نے

اپنے ملازم سے پوچھا۔ کہ ڈرائیور کہاں ہے۔

"جی ڈرائیور۔ کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں آیا؟" ملازم نے حیران ہو کر کہا۔

اسی وقت مجھے یاد آیا کہ ڈرائیور کو بھی میرے ساتھ دوسرے شہر جانا تھا اور ساتھ واپس آنا تھا۔ ان تین دنوں کے دوران کار کو ایر پورٹ کے پارک میں کھڑے رہنا تھا۔ میں اُلجھے ہوئے ذہن کے ساتھ کار سے باہر نکلا اور اسی وقت مَیں نے ایک تیز چیخ کی آواز سُنی۔

چیخ ملازم کی تھی۔"

شور

سلمان بھائی یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ بھونچکے سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر چند سیکنڈ کے بعد اس نے پھر کہا:

"ملازم کی چیخ نے مجھے لرزا دیا۔ وہ مجھے خوف زدہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کیا بات ہے بھئی۔ تم کیوں چیخے۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور بے تحاشا اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ادھر سے گھر والے چیخ کی آواز سُن کر دوڑ پڑے۔ ملازم ان سے ٹکرا گیا۔ اور پھر انھوں نے مجھے دیکھا۔ تو وہ بھی چیخ اُٹھے۔ اچانک میرے بیٹے نے چیخ کر کہا:

"تت۔ تم۔ تم کون ہو؟"

"مم۔ میں کون ہوں۔ فیاض۔ تمھیں کیا ہو گیا۔ تم مجھے نہیں پہچان رہے۔" میں نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہاں! میں آپ کو نہیں پہچانتا۔ آپ پتا نہیں کون ہیں۔ میری امّی اور بہن بھی آپ کو نہیں پہچانتیں۔ پوچھ لیجیے ان سے۔"

میں نے جلدی سے اپنی بیٹی اور بیوی کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں بھی حیرت ہی حیرت تھی۔ اب مجھے خیال آیا۔ میں اپنے چہرے کو تو دیکھوں۔ کہیں میرے چہرے میں کوئی فرق تو نہیں آگیا۔ میں جلدی سے کار کی طرف بڑھا، اس کے آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھا۔ چہرے میں کوئی فرق نہیں تھا، لیکن ساتھ ہی میری نظر آئینے میں اپنے جسم پر پڑی۔ اور میں دھک سے رہ گیا۔ اب میں نے گردن سے نیچے اپنے جسم کو دیکھا اور بھونچکا رہ گیا۔ وہ لمحہ میری زندگی کا حیران کن ترین لمحہ تھا۔ اس سے زیادہ عجوبہ بات میرے لیے کبھی نہیں ہوئی ہو گی۔ گردن کے نیچے والا جسم میرا نہیں تھا۔"

"کیا!!!" وہ تینوں ایک ساتھ چلّائے۔

"ہاں! آپ لوگ بھی تو مجھے اس لیے نہیں پہچان پائے کہ گردن سے نیچے والا جسم میرا اپنا نہیں ہے۔ وہ بدلا گیا ہے۔ میں نے گھر کے افراد کو ساری بات بتائی، لیکن انھیں یقین نہیں آیا۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے چہرے پر

سلمان بھائی کا میک اَپ کر رکھا ہے اور میں نے ان سے کوئی دھوکا کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ جب انھیں کسی طرح میری بات پر یقین نہ آیا تو میں جھلا کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور اپنے ایک دوست کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں بھی وُہی ہوا جو گھر میں ہوا تھا۔ آخر سارے شہر کی خاک چھاننے کے بعد مجھے آپ لوگوں کا خیال آیا۔ اور میں ادھر آگیا۔ یہ ہے میری کہانی۔ میں نہیں جانتا۔ میرا نچلا جسم کس طرح پتلا دبلا اور چھوٹا ہو گیا۔ کار میں مجھے نیند آ گئی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم۔"

"ہُوں۔ اور آپ کا ڈرائیور؟"

"اس کا کچھ پتا نہیں۔ نہ جانے وُہ کہاں ہے اور کس حال میں۔ وُہ مل جائے تو شاید اس معاملے کے سر پیر کا کچھ پتا چلے۔"

"واقعی بہت حیرت انگیز معاملہ ہے۔ شاید اس صدی کا سب سے عجیب ترین واقعہ۔ کیا آپ اپنے دستخط کر سکتے ہیں؟" محمود نے کچھ سوچ کر پُوچھا۔

"دستخط۔ کیا مطلب؟"

"اب ہم دستخط کے کیا معنی بتائیں۔" فارُوق نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ چاہتے ہیں، میں اپنے دستخط کرکے دیکھوں۔"

"ہاں!" محمود بولا۔

اس نے جیب سے قلم نکالا۔ محمود نے جلدی سے ایک نوٹ بُک اس کے آگے کر دی۔ اس نے کاغذ پر دستخط کر دیے، پھر خود ہی حیرت زدہ انداز میں ان دستخطوں کو دیکھنے لگا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"یہ۔ یہ دستخط وہ نہیں ہیں۔ جو میں کاغذات اور چیکوں وغیرہ پر کرتا رہا ہوں۔"

"تو وہی کریں نا۔"

"میں نے تو وہی دستخط کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن نہیں ہوئے۔"

"پھر کوشش کریں۔ بار بار کریں۔"

اس نے کوشش شروع کر دی، لیکن تین چار منٹ کی کوشش کے بعد بھی ناکامی ہی ہوئی:

"نہیں بنتے وہ دستخط۔"

"تب پھر۔ یہ ہاتھ۔ یہ دھڑ۔ یہ پاؤں۔ واقعی آپ کے نہیں ہیں۔ صرف گردن سے اوپر والا حصہ آپ کا ہے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ل۔ لیکن۔ یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے آج تک۔"

"آج تک ایسا نہیں ہوا۔ اس پر ہمیں بھی حیرت ہے، ویسے کیا آپ ہمیں اس جگہ لے جا سکتے ہیں۔ جہاں آپ کی آنکھ کھلی تھی۔"

"ہاں! میرا خیال ہے کہ میں آپ کو وہاں لے جا سکتا ہوں۔"

"تو پھر چلیے۔ پہلے ہم اس جگہ کا جائزہ لے آئیں۔"

وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ اس کھڑکی کے ذریعے ہی باہر نکلیں۔ ہم دروازے کی طرف سے آتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"اچھی بات ہے۔"

وہ اندر آئے۔ مختصر طور پر اپنی امّی کو ساری بات بتائی۔ اور باہر نکل آئے، لیکن باہر کوئی کار وغیرہ نہیں تھی:

"آپ کار پر نہیں آئے؟"

"کار۔ ملازم اور بچوں نے مجھے کار نہیں لانے دی۔ کہنے لگے۔ اگر آپ کار لے کر جانا چاہتے ہیں تو پہلے پولیس کو بلا کر فیصلہ کرنا ہوگا کہ آپ کون ہیں۔ لہٰذا میں کار کے

بغیر ہی باہر نکل آیا - جیب میں کچھ نقدی تھی - لہٰذا سارا دن ٹیکسیوں میں سفر کیا ہے۔"

"تب تو ہمیں ٹیکسی ہی لینی ہو گی - آئیے سڑک تک پیدل چلتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

سڑک سے اُنھوں نے ایک ٹیکسی لی اور چل پڑے -

"جنوبی سڑک پر جانا ہے - جو خشک پہاڑیوں کی طرف جاتی ہے۔" سلمان بھالی نے کہا۔

ایک جگہ پہنچ کر اس نے کہا:

"بس - یہیں روک لیں - میری کار اس جگہ کھڑی تھی۔"

ڈرائیور نے ٹیکسی روک لی اور وہ اُتر کر اس طرف بڑھے -

"آپ ذرا دیر انتظار کریں، ہمیں واپس بھی جانا ہے۔" محمود نے ڈرائیور سے کہا۔

"جی بہتر۔"

کار جس جگہ کھڑی ملی تھی - وہ اس جگہ پہنچ گئے - وہاں ٹائروں کے نشانات موجود تھے - انھوں نے آس پاس کی زمین کا جائزہ شروع کیا - اور دیکھتے ہوئے کافی دُور نکل گئے، پھر واپس مُڑے اور سلمان بھالی کے پاس آ گئے، کیوں کہ وہ وہیں کھڑا رہا تھا -

"ہمیں اب یہاں کچھ وقت لگے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"اس جگہ قدموں کے کچھ نشانات موجود ہیں - جو آگے بڑھ رہے ہیں - ہم ان نشانات کے سہارے آگے جائیں گے ... آپ شہر چلے جائیں - واپسی پر ہم آپ سے مل لیں گے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"لیکن میں کہاں چلا جاؤں؟"

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے - خیر آپ ایسا کریں کہ ہمارے گھر چلے جائیں - ابّا جان بھی اس وقت تک گھر پہنچ چکے ہوں گے - امّی جان کو ہم پہلے ہی واقعات سُنا آئے ہیں - وہ آپ کو ٹھہرنے کی جگہ دیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

اس نے کہا اور ٹیکسی کی طرف مُڑ گیا -

محمود کو کچھ خیال آیا - جلدی سے جیب سے کچھ کرنسی نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے:

"یہ رکھ لیجیے - ٹیکسی کا کرایہ دے دیجیے گا۔"

اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے - کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے نوٹ تھام لیے اور بھرّائی ہوئی آواز میں بولا:

"آن مالک - یہ سب کیا ہے - لاکھوں روپے کا مالک

یک دم قلاش ہو گیا ہے۔ بنکوں میں دولت موجود ہے، لیکن اس کو نکلوا نہیں سکتا۔ اب۔ اب میں وہ دستخط کس طرح کروں گا۔ پیسے کس طرح نکلوا سکوں گا۔"

"آپ اپنے ذہن کو نہ اُلجھائیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ آپ کا جسم کس طرح بدل گیا۔"

"بہت بہت شکریہ!" اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا اور ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

اور پھر ٹیکسی اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"آؤ۔ اب اِن نشانات کے مطابق قدم آگے بڑھائیں۔" محمود نے کہا۔

"ابھی تک مجھے اس معاملے میں جُرم کی بُو نہیں محسوس ہوئی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"تمھاری ناک خراب ہو گئی ہے شاید۔" فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔

"تم اپنی ناک کو سنبھالو۔" فرزانہ نے بھنّا کر کہا۔

"اب تو میرا جی یہ کہنے کو چاہ رہا ہے۔ ناک ری ناک تیری کون سی کل سیدھی۔" فاروق مُسکرایا۔

"محاورات کے پیچھے پڑنے کا ارادہ ہے کیا؟" محمود گھبرا گیا۔

"یہ محاورہ نہیں۔ ضرب المثل ہے شاید۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"ہم یہاں قدموں کے نشانات کے مطابق آگے بڑھنے کے لیے ٹھہرے ہیں۔ نہ کہ آپس میں نوک جھوک کے لیے۔ نوک جھوک کے لیے تو اپنا کمرہ ہی کافی تھا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"پتا نہیں۔ قدموں کے یہ نشانات ہمیں کہاں لے جائیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"یہ بے چارے ہمیں کہاں لے جائیں گے، ہم ہی ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔" فرزانہ نے مُسکرا کر کہا۔

"ہائیں۔ ہم۔ میرے کانوں کو کیا ہوا۔" محمود کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"میں لہروں کا شور سُن رہا ہوں۔"

"تو پھر اس میں عجیب بات کیا ہے۔ ان پہاڑیوں کے دوسری طرف۔" فاروق کہتے کہتے رُک گیا۔

"ہاں کہو۔ ان پہاڑیوں کے دوسری طرف۔"

"دوسری طرف تو واقعی کوئی سمندر نہیں ہے۔ پھر تم نے لہروں کا شور کس طرح سُن لیا۔ اور پھر اگر تم لہروں کا شور

سُن سکتے ہو تو فرزانہ کو کیوں سُنائی نہیں دیا۔" فارُوق حیرت زدہ
لہجے میں بولا۔

" اسی لیے تو میں نے کہا تھا ۔ میرے کانوں کو کیا ہو گیا
ہے۔" محمود مُسکرایا۔

" واقعی ۔ یہاں سے واپس جا کر سب سے پہلا کام یہ کرنا
کہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے کان دکھانا ۔ ان میں ضرور کوئی نقص
واقع ہو گیا ہے۔"

" مشورے کا شکریہ۔" محمود بولا۔

" اوہو ۔ اب تو مَیں بھی یہی کر سکتی ہُوں۔" فرزانہ نے
چونک کر کہا۔

" کک ۔ کیا ۔ تم کیا کر سکتی ہو۔" فارُوق گھبرا گیا۔

" لہروں کا شور۔"

" تت ۔ تو کیا تم نے بھی سُن لیا ہے شور؟"

" ہاں!" اس نے فوراً کہا۔

" لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے ۔ کہ تم محمود کے بعد سُنو۔" فارُوق
نے پُوچھا ۔

" مَیں دراصل سلمان بھائی کے معاملے پر غور کر رہی تھی
اور سوچ میں کچھ اس طرح ڈوبی ہوئی تھی کہ لہروں کا شور نہ
سن سکی۔"

" آئندہ اِس طرح نہ ڈوبنا ۔ بہت بُری بات ہے ۔"
فارُوق نے مُسکرا کر کہا۔

" دماغ تو نہیں چل گیا۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

" ابھی نہیں ۔ لیکن بہت جلد چلنے کی امید ہے ۔ ان پہاڑیوں
میں اگر اور ایک دو گھنٹے تک گھومنا پڑا تو ضرور یہ بے چارہ
بھی چل جائے گا۔"

" کک ۔ کون بے چارہ؟" محمود بے خیالی میں بولا۔

" دماغ اور کون ۔ اور یہاں ہے ہی کون ان پہاڑیوں میں۔"
فارُوق نے فوراً کہا۔

" بالکل غلط کہتے ہو ۔ وُہ دیکھو ۔ پہاڑی کی چوٹی پر کوئی شخص
کھڑا ہے۔" فرزانہ نے اُنگلی کا اشارہ کیا۔

دونوں نے ایک ساتھ دیکھا ۔ وہاں واقعی کوئی کھڑا تھا
اور اس کے ہاتھ میں کوئی چمک دار چیز بھی تھی ۔ جو غروب ہوتے
سُورج کی کرنوں میں چمک رہی تھی ۔

ان کے قدم تیزی سے اُٹھنے لگے ۔ اور پھر وُہ اس حد تک
نزدیک پہنچ گئے کہ اسے صاف طور پر دیکھ لیا:

" ہائیں ۔ یہ تو ایک فوجی ہے۔" محمود بولا۔

" واقعی ۔ حیرت کی بات ہے ۔ یہ دو فوجی کیوں نہیں ہیں۔"
فارُوق نے کہا۔

"ارے — تم خاموش نہیں رہ سکے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"خبردار — کون ہو تم — آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

اسی وقت فوجی کی آواز گونجی — ساتھ ہی اس کی رائفل ان کی طرف تن گئی — انھوں نے دیکھا۔ رائفل کے سرے پر سنگین لگی ہوئی تھی —

کھائیاں

انھوں نے فوجی کو تیز نظروں سے گھورا، پھر محمود بولا:

"بہت بہتر! ہم آگے نہیں بڑھیں گے — ہمارے نام محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"تم لوگ اس طرف کیوں آئے ہو؟"

"ایک معاملے کی تفتیش کے سلسلے میں۔"

"کیا مطلب؟" فوجی نے چونک کر کہا۔

"انسپکٹر جمشید صاحب کا نام سنا ہے کبھی؟" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"وہ جو محکمہ سراغ رسانی میں ہیں — مشہور و معروف انسپکٹر صاحب۔" فوجی نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں وہی — ہم ان کی اولاد ہیں — اور سراغ رسانی کے کاموں میں ان کے معاون ہیں، لیکن غیر سرکاری معاون۔" محمود نے اپنا تعارف کرایا۔

"میں سمجھ گیا — لیکن ان اطراف میں آپ کا کیا کام — یہاں

تو کسی کیس کے آثار نظر نہیں آتے۔"

"کیس ہوا ہے جناب اور اس کا تعلق یہاں آس پاس کسی جگہ سے ضرور ہے - ہم جائے واردات سے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔"

"حیران کن بات کہہ رہے ہیں آپ۔" فوجی نے کہا۔

"ہماری باتیں حیران کن ہی ہوتی ہیں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ یہ علاقہ عام علاقہ نہیں ہے - اس طرف کوئی نہیں آ سکتا، لہٰذا آپ لوگ یہیں سے واپس چلے جائیں۔" اس نے مشورہ دینے کے انداز میں کہا۔

"اب یہ کیسے ممکن ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"کیوں ممکن کیوں نہیں - اس میں کیا مشکل ہے۔" وہ بولا۔

"ہم یہ جانے بغیر کس طرح جا سکتے ہیں کہ نشانات کا تعلق کس جگہ سے ہے۔"

"اور ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم اس جگہ سے کسی کو آگے نہیں جانے دیں گے۔"

"آخر کیوں - آگے کیا ہے؟"

"آگے خطرناک علاقہ ہے - ہولناک ڈھلانیں ہیں، اس قدر گہری کھائیاں ہیں کہ اگر کوئی گر جائے تو اس کا پتا بھی نہ چلے - اسی وجہ سے ہمیں یہاں مقرر کیا گیا ہے - دوسرے

یہ کہ یہ علاقہ دشمن کی سرحد کے بھی بہت نزدیک ہے - اس کی سرحد پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے - اس لیے ہم یہاں ڈیوٹی دیتے ہیں۔"

"ان سب باتوں کے باوجود ہمارا آگے بڑھنا بہت ضروری ہے آپ یہ بتائیں کہ اس کی کوئی صورت آپ کے نزدیک ہے یا نہیں؟"

"جی نہیں!"

"تب پھر ہمیں اپنا اجازت نامہ کام میں لانا ہوگا۔" محمود نے جل کر کہا۔

"اجازت نامہ - کیا مطلب؟"

"ہمارے پاس ایک عدد اجازت نامہ ہے - جس کی رو سے ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے - ہمیں تو حکم یہ ہے کہ ہرگز کوئی آگے نہیں جا سکتا۔" اس نے منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے - پہلے آپ اس پر ایک نظر ڈال لیں۔" محمود نے اندرونی جیب سے اجازت نامہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا - اس نے کاغذ لیا اور پڑھنے لگا - آخر بولا:

"یوں کام نہیں چلے گا۔"

"جیسے چلے گا، بتا دیں - ہم چلا لیں گے۔"

"آئیے - میں آپ کو کیپٹن صاحب کے پاس لے چلوں۔ اس کا فیصلہ وہی کریں گے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے ایک فوجی خیمے میں داخل ہوئے - اندر ایک میز بچھی تھی - میز کے گرد تین کرسیاں تھیں - سامنے والی کرسی پر ایک سڈول جسم والا فوجی بیٹھا تھا - وہ کسی فائل پر جھکا ہوا تھا - ان کی آمد کا بھی اسے پتا نہ چلا - فوجی نے کھنکار کر اسے گویا اطلاع دی :

"کک - کیا بات ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا اور جلدی سے فائل بند کر دی - جلد ہی وہ پر سکون ہو گیا اور سخت لہجے میں بولا :

"اوہو - شیر خان - یہ تم ہو - تم اپنی جگہ چھوڑ کر یہاں کیوں آئے - کیا تم نہیں جانتے - یہ حکم کی خلاف ورزی ہے۔"

"یس سر - میں اچھی طرح جانتا ہوں - آپ ان لوگوں سے ملیے۔"

"ان سے تو میں بعد میں ملوں گا - پہلے تم جواب دو - تم نے اپنی جگہ کیوں چھوڑی ؟"

"اس کی وجہ بتانے کے لیے ہی تو میں کہ رہا ہوں سر، کہ ان سے ملیے۔"

"اگر ان سے ملنا اتنا ہی ضروری ہے - تو ٹھیک ہے - ملواؤ ان سے۔"

"یہ آگے جانا چاہتے ہیں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا - آگے کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے - اسی لیے تو تمہاری وہاں ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔"

"لیکن سر - ان کے پاس ایک عدد اجازت نامہ ہے۔" شیر خان نے کہا۔

"کیسا اجازت نامہ؟" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"یہ لیجیے خود ہی دیکھ لیجیے۔" اس نے کہا اور اجازت نامہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

کیپٹن جلدی جلدی اس پر نظریں دوڑانے لگا - اس کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہو گئیں - آخر اس نے کاغذ پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا :

"شیر خان - تم اپنی ڈیوٹی پر جاؤ - ان سے میں خود بات کرتا ہوں۔"

"او کے سر۔" شیر خان نے خوش ہو کر کہا، سلوٹ مارا - ایڑیوں پر گھوما اور خیمے سے نکل گیا -

"تشریف رکھیے۔"

"شکریہ جناب۔" محمود نے کہا۔ وہ اور فرزانہ ایک ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ فاروق کرسی کی ہتھی پر ٹک گیا۔

"آپ لوگ انسپکٹر جمشید صاحب سے تعلق رکھتے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ادھر کس لیے آئے ہیں اور آگے کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے۔ اس اجازت نامے کو پڑھ لینے کے بعد تو آپ کو کوئی سوال نہیں کرنا چاہیے۔" محمود نے بُرا مان کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی سوال نہیں پوچھنا چاہیے، لیکن ذہن میں سوال تو اُبھر چکا ہے۔ کیا آپ میری اُلجھن دُور کرنے کے لیے بھی نہیں بتائیں گے؟"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ یہ ایک عجیب سا معاملہ ہے۔ ایک شخص گھر سے تین دن غائب رہا۔ چوتھے دن گھر لوٹا تو اس کا دھڑ اس کا نہیں رہا تھا۔ جب کہ سر اور چہرہ اسی کا تھا۔ لیکن اس کے گھر والے اسے قبول کرنے پر تیار نہیں۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس کا دھڑ کس طرح بدل گیا۔ جس جگہ تین دن بعد اسے ہوش آیا۔ ہم نے اس جگہ کا معائنہ کیا۔ اس جگہ سے قدموں کے کچھ نشانات اس طرف آ رہے تھے۔ ہم ان نشانات پر چلتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ اور اب اس لیے آگے جانا چاہتے ہیں کہ اس آدمی کا پتا چلا

سکیں جس نے یہ حرکت کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب کو اغوا کرکے اس طرف لایا گیا ہے اور پھر واپس بھی لے جایا گیا ہے۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"حیرت ہے۔ اس طرف تو ایسی کوئی جگہ نہیں۔ یہاں تو بس پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں اور ان بے آباد پہاڑیوں کے درمیان ہم رہتے ہیں۔"

"جو کچھ بھی ہے۔ آپ ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔ اجازت نامہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن آپ لوگ دُشمن کی سرحد سے دُور دُور رہیے گا۔ کہیں وہ گولی نہ چلا دیں۔ بہت شرارتی لوگ ہیں۔ انسانی خون کی ان کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اور دُوسرے یہ کہ کھائیوں اور ڈھلانوں سے بچ کر رہیے گا۔ ایسا نہ ہو، آپ کسی کھائی میں جا گریں۔ اس صورت میں ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔" کیپٹن نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ تو اب ہمیں اجازت ہے۔" محمود نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ضرور۔" وہ مسکرایا۔

محمود اور فاروق نے اس سے ہاتھ ملائے اور پھر وہ تینوں

پیچھے سے باہر نکل آئے۔

"ہمیں اپنا کام وہیں سے شروع کرنا ہوگا۔ جہاں تک ہم قدموں کے نشانات دیکھ کر آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" فرزانہ بولی۔

جلد ہی وہ پھر آگے بڑھ رہے تھے۔ راستا واقعی حد درجے خطرناک ہو چکا تھا اور انہیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا۔

"آج معلوم ہوا، پھونک پھونک کر قدم رکھنا، محاورے کا کیا مطلب ہے۔" فاروق بولا۔

"حیرت کی ایک بات کی طرف تم دونوں نے توجہ نہیں دی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہم حیرت کی دوسری یا تیسری بات کی طرف توجہ دینے کے عادی ہیں۔ پہلی بات تمہارا حصہ ہے۔" فاروق نے [illegible] سے کہا۔

"اور وہ بات یہ ہے کہ ہم قدموں کے نشانات کے مطابق چلتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ تو کیا ان لوگوں کو جو سلمان بھائی کو اغوا کرکے لائے تھے۔ ان فوجیوں نے نہیں دیکھا تھا۔ ہمیں تو انھوں نے فوراً دیکھ لیا۔ راستا ان کا بھی یہی تھا۔"

"اوہ!" محمود اور فاروق کے منہ سے نکلا۔

ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔ چہروں پر خوف دوڑ گیا، آنکھوں میں الجھن تیرنے لگی۔

★

"تو پھر۔ اس سے تم نے کیا نتیجہ نکالا ہے؟" محمود نے کہا۔

"یہ کہ۔ یہ فوجی۔ اصلی فوجی نہیں ہیں۔ ان لوگوں کے ہی ساتھی ہیں۔ ورنہ یہ لوگ ہمیں ضرور بتاتے کہ انھوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا تھا جو ایک شخص کو لے جا رہے تھے۔" فرزانہ بولی۔

"ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن افسوس۔ یہ خیال تمہیں دیر سے آیا۔ جب وہ فوجی ہمیں واپس جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ اس وقت آنا چاہیے تھا۔ ہم خاموشی سے واپس چلے جاتے اور شہر سے مدد لے کر واپس ادھر آتے۔"

"اب بھی کیا ہے۔ ہم کچھ دیر اِدھر اُدھر بھٹک لیتے ہیں۔ پھر واپس ہو جاتے ہیں، ان سے کہہ دیں گے

کہ ادھر تو کچھ بھی نہیں ہے۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"ہوں۔ اس ترکیب پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ آگے بڑھتے چلو۔ کسی نہ کسی مقام پر یہ لوگ خود ہی سامنے آ جائیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اور ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوں گے، کیوں کہ ہم ان کھائیوں اور ڈھلانوں سے واقف نہیں ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہاں مجھے پھر ایک پرانی بات دہرانا پڑے گی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تمہاری بہت پرانی عادت ہے۔ دہرا لو۔"

"جب اوکھلی میں سر دیا تو۔"

"بس بس۔ کان پک گئے ہیں سن سن کر۔ بلکہ اب تو یہ ضرب المثل مجھے زہر لگنے لگی ہے۔" فاروق بولا۔

"بے چاری ضرب المثل پر محاورہ جڑ دیا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اور تم نے تو جیسے محاورے کو چھوا تک نہیں۔" محمود نے کہا۔

"ان کھائیوں اور ڈھلانوں میں یہ باتیں کچھ عجیب سی ہیں،

بے چاری کیا سوچیں گی۔" فاروق نے کہا۔

"لو۔ اب کھائیوں کے ہمدرد بن گئے۔ یار تمہاری کوئی کل سیدھی بھی ہے۔" محمود نے جھنا کر کہا۔

"اے۔ خبردار۔ اگر مجھے اونٹ کہا۔" فاروق چلا اٹھا۔

"فرزانہ۔ میں نے اسے اونٹ کہا بھلا؟" محمود اس کی طرف مڑا۔

"نہیں تو۔ اس کے کان بجے ہوں گے۔ اس کے کانوں کی یہ خاص عادت ہے۔ وقت بے وقت بجنے لگتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"دھت تیرے کی۔" فاروق بلبلا اٹھا۔

"لو۔ اب میرا تکیہ کلام اچک لیا۔ لیکن نصف۔"

"نصف کیوں۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"اس نے ران پر ہاتھ تو مارا ہی نہیں۔"

"چلو۔ تم پورا کر دو تکیہ کلام کو۔ اپنی ران پر ہاتھ مار کر۔" فاروق مسکرایا۔

"اب ہم واقعی اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگے ہیں۔ اور اصل کام کی طرف سے دھیان ہٹ گیا ہے۔ قدموں کے یہ نشانات آخر ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔"

"جہاں سلمان بھائی کو لے جایا گیا تھا، وہیں ہم جانا

چاہتے ہیں۔"

"ارے۔ وہ۔ وہ کیا؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

فاروق اور فرزانہ نے جلدی سے ادھر دیکھا۔ ایک چھوٹی سی چٹان پر دس بارہ سال کی ایک لڑکی کھڑی تھی۔ اس کی نظریں ان پر جمی تھیں۔۔

تفتیش کے گھوڑے

"چٹانوں کی بیٹی" فاروق نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"ایسی بات نہ کہو۔ بُرا مان جائے گی بے چاری" فرزانہ بولی۔

"ابھی اس نے میری آواز کہاں سُنی ہو گی۔ ابھی تو ہم کافی فاصلے پر ہیں" فاروق نے کہا۔

"میرے کان اتنے کمزور نہیں۔ سُن چکی ہوں اور بُرا بھی نہیں مانا" لڑکی کی آواز گونجی۔

وہ زور سے چونکے:

"لو فرزانہ۔ اب کرو مقابلہ" فاروق نے کہا، پھر لڑکی کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ کہ بُرا نہیں مانا۔ ورنہ بُرا ماننے میں کیا اُٹھتا ہے"

اب وہ اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ انھوں نے دیکھا۔

وہ لمبے قد کی پتلی دُبلی لڑکی تھی ۔ فرزانہ کی عُمر کی تو رہی ہو گی ۔

"اب ذرا تعارف ہو جائے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں تعارف ۔ میں واقعی چٹانوں کی بیٹی ہُوں۔ جب سے پیدا ہوئی ہوں۔ ان چٹانوں کو ہی دیکھا ہے۔"

"آپ رہتی کہاں ہیں؟"

"وہ ۔ اس طرف دیکھیے ۔ آپ کو ایک سفید رنگ کی عمارت دکھائی دے رہی ہے نا۔"

انھوں نے نظریں اُٹھا کر دیکھا۔ دُور ایک سفید رنگ کی عمارت کی جھلک سی دکھائی دی ۔

"ہاں ! معلوم تو ہوتا ہے ۔ کہ کوئی عمارت ہے وہاں۔" فرزانہ بولی ۔

"بس مَیں وہیں رہتی ہُوں ۔ آپ کون ہیں؟"

"ہم محمود ، فارُوق اور فرزانہ ہیں ۔ ابھی آپ نے اپنا مکمل تعارف نہیں کرایا۔ آپ اس سفید عمارت میں کس کے ساتھ رہتی ہیں۔" محمود بولا۔

"اپنے ڈیڈی اور ممّی کے ساتھ۔"

"حیرت ہے ۔ آپ لوگ یہاں کیوں رہتے ہیں ۔ شہر سے اتنی دُور۔ اور پھر یہ علاقہ تو ممنوعہ علاقہ ہے۔ آپ لوگوں کو یہاں

رہنے کی اجازت کس نے دے رکھی ہے۔"

"کسی نے بھی نہیں ۔ یہ ہمارا آبائی گھر ہے ۔ ہم اپنی ذمے داری پر یہاں رہتے ہیں ۔ زیادہ سے زیادہ خطرہ یہ ہے ناکہ پڑوسی مُلک کے فوجی حملہ آور نہ ہو جائیں ۔ ڈیڈی موت سے نہیں ڈرتے ، ان کا کہنا ہے ۔ موت ایک دن آ کر رہے گی ، ہم اس کو آنے سے نہیں روک سکتے ، پھر ڈر ڈر کر زندگی کیوں بسر کریں۔"

"بھئی واہ ۔ آپ کے ڈیڈی تو مُسلمان آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" فارُوق خوش ہو گیا۔

"آپ ۔ ملیں گے میرے ڈیڈی سے۔"

"اگر اُنھوں نے ملنا پسند کیا تو ضرور ملیں گے۔"

"ان سے ملنے ہی کون آتا ہے ۔ ضرور ملیں گے ۔ بلکہ بہت خوش ہوں گے۔"

"کیا خیال ہے ۔ مُلاقات کر لی جائے۔" محمود نے ان کی طرف دیکھا ۔

"ہمارا اصل کام رہ جائے گا۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"دیر ہی کتنی لگے گی ۔ وہاں تک جانے اور آنے میں۔" محمود نے کہا۔

"ارے ۔ مگر۔" فارُوق کہتے کہتے رُک گیا ۔ اس کی نظریں

زمین کی طرف تھیں۔

محمود اور فرزانہ نے بھی نیچے دیکھا۔ قدموں کے نشانات کا رُخ اس سفید عمارت کی طرف تھا۔ وُہ سمجھ گئے کہ فاروق کیا کہنا چاہتا ہے۔

"ٹھیک ہے۔ مل ہی لیں۔"

"آپ اس طرف کس کام سے آئے ہیں؟"

"ہمارے ایک ملنے والے غائب ہیں۔ ان کی تلاش میں اس طرف آئے ہیں۔"

"کیا وُہ اس طرف آیا کرتے تھے۔ لل۔ لیکن نہیں۔ ادھر تو فوجی کسی کو نہیں آنے دیتے۔ ارے ہاں۔ آپ لوگوں کو کس طرح آنے دیا انھوں نے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"جی بس۔ اجازت دے ہی دی کسی طرح۔"

"آئیے۔ آپ لوگ ڈیڈی سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

"کیا چند روز پہلے بھی ایک صاحب اس طرف آئے تھے۔ اور آپ انھیں اپنے ڈیڈی سے ملانے ادھر لے گئی تھیں۔" فرزانہ نے دبی آواز میں پوچھا۔

لڑکی اس کی طرف گھومی۔ چند سیکنڈ کے لیے فرزانہ کو گھورتی رہی، پھر اس نے کہا:

"کیا آپ لوگ اپنے آپ کو عقل سے پیدل سمجھتے ہیں۔ یا

پھر مجھے خیال کر رہے ہیں۔"

"نہیں تو۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"تو پھر۔ آپ نے یہ بات کیوں پُوچھی۔ خود ہی تو بتا رہے تھے کہ آپ کے کوئی عزیز ادھر آئے تھے۔ وُہ غائب ہیں، گویا ان کو غائب کرانے میں میرا ہاتھ ہے۔ اُف توبہ۔"

اس نے اپنے گال پیٹ لیے۔

"ارے ارے۔ یہ آپ کیا کر رہی ہیں۔"

"آپ نے ہم پر بہت خوف ناک الزام لگایا۔ میں اور ڈیڈی ممی انسانوں کو غائب نہیں کرتے۔"

"ایک بات منہ سے نکل گئی تھی۔ آپ نے اس کا بالکل غلط مطلب لے لیا۔ بہر حال ہم معافی چاہتے ہیں۔"

ان کے قدم لڑکی کے ساتھ اُٹھنے لگے۔ لڑکی آگے آگے چل رہی تھی۔ اور اس قدر مہارت سے چل رہی تھی جیسے ہموار سڑک پر چل رہی ہو۔ جب کہ اس کے پیچھے چلنے میں انھیں دقت ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ کہ وُہ بہت آگے نکل گئی۔ جلد ہی اس نے یہ بات نوٹ کر لی۔ تیزی سے مُڑی اور پھر اپنی رفتار آہستہ کر لی۔

"معاف کیجیے گا۔ میں کچھ تیز چلنے لگ گئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

"میں زوبی ہوں۔"

"آپ کے ڈیڈی کا کیا نام ہے؟"

"ان کو پروفیسر مونگا کہتے ہیں۔"

"او ہو۔ تو وہ پروفیسر بھی ہیں۔"

"جی ہاں۔ بہت بڑے ڈاکٹر ہیں، اپریشنوں کے ماہر۔"

"حیرت ہے۔ پھر وہ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ انھیں تو اپنی مہارت سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا چاہیے۔ مطلب یہ کہ شہر میں چل کر رہنا چاہیے۔"

"اس کی وجہ وہ خود ہی بتا سکیں گے۔"

بیس منٹ بعد وہ سفید عمارت تک پہنچ گئے۔ یہ ایک پرانے طرز کی عمارت تھی۔ عمارت کا دروازہ کھلا تھا۔ جوں ہی وہ اندر داخل ہوئے۔ دوسری طرف سے ایک خرگوش دوڑتا ہوا ان کی طرف آتا نظر آیا۔ فوراً ہی ایک بوڑھا نمودار ہوا۔ وہ اس خرگوش کا تعاقب کر رہا تھا۔ اور پھر انھیں سامنے پا کر خرگوش یک دم رک گیا، پھر گھبرا کر واپس مڑا۔ ادھر سے بوڑھا آ رہا تھا۔ اس نے ایک چھلانگ لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے خرگوش نے بھی چھلانگ لگائی۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ کیوں کہ خرگوش کی پھرتی دھری کی دھری رہ گئی تھی اور اب وہ بوڑھے کے ہاتھ میں تھا۔

"شاید آپ کا ملازم ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ارے نہیں۔ یہ میرے ڈیڈی ہیں۔" زوبی نے برا سا منہ بنایا۔

"کک۔ کون۔" بوڑھا اچھل پڑا۔ ساتھ ہی خرگوش اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"ارے ستیاناس۔" اس نے کہا اور پھر خرگوش کی طرف دوڑا۔

"زوبی کی بچی۔ اب تم پکڑ کر دو اسے۔ کتنی مشکل سے تو میں نے پکڑا تھا۔"

"جانے دیجیے ڈیڈی۔ خود ہی آ جائے گا جب بھوک لگے گی۔ آس پاس اسے کھانے کے لیے تو کچھ ملے گا نہیں۔" زوبی نے بلند آواز میں کہا۔

بوڑھا یک دم رک گیا۔ انھیں یوں لگا جیسے اسے بریک لگ گیا ہو۔

"یہ۔ یہ لوگ کون ہیں؟"

"یہ۔ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"لل۔ لیکن یہ یہاں کیسے آ گئے؟"

"میں نے ان سے پوچھا تھا۔ کوئی واضح جواب نہیں ملا۔ آپ سے ملانے کے لیے ادھر لے آئی ہوں۔ ورنہ یہ کافی فاصلے پر ملے تھے مجھے۔"

"اوہ۔ بہت بہت شکریہ۔ تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔ آئیے بھئی۔ ہم ایک دوسرے سے ملیں۔"

اس نے کہا اور اندر کی طرف مڑ گیا۔ زوبی انھیں ایک کمرے میں لے آئی۔ پروفیسر مونگا بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ بلکہ وہی نہیں، ان کی بیگم بھی وہاں موجود تھیں:

"ہم اپنے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" بیگم مونگا بولیں۔

"شکریہ۔ سوال یہ ہے کہ آپ اس غیر آباد جگہ میں کیوں رہتے ہیں۔ آپ ضروریاتِ زندگی کس طرح حاصل کرتے ہیں؟" محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"میں اس سوال کا جواب دوں گا۔" پروفیسر نے بچوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"نہیں پروفیسر صاحب۔ جواب میں دوں گی۔" بیگم مونگا کا لہجہ سخت تھا۔

"اوہ۔ ٹھیک ہے۔ تب تو آپ ہی جواب دیں۔" پروفیسر سہم گیا۔ زوبی بھی ڈر گئی۔ ان کی حیرت بڑھ گئی۔ اسی وقت بیگم مونگا نے کہا:

"یہ سب کچھ پروفیسر صاحب کی ایک غلطی کی وجہ سے ہوا۔"

"جی۔ غلطی۔ ہم سمجھے نہیں۔"

"میں سمجھاتی ہوں۔ پروفیسر بہت بہترین سرجن ہیں۔ سول

ہسپتال میں ان سے بہتر اپریشن کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ پورے ملک میں ان کی ٹکر کا کوئی سرجن نہیں تھا۔ ایک روز ایک حادثے میں ایک شخص کی گردن کٹ گئی، لیکن ابھی وہ زندہ تھا کہ اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ پروفیسر صاحب نے فوراً اس کی گردن کو جوڑنے کا کام شروع کر دیا۔ پانچ گھنٹے کی مسلسل محنت کے بعد انھوں نے گردن جوڑ دی۔ تین ماہ بعد وہ شخص بالکل صحت مند ہو گیا۔ یہ ایک عجیب کارنامہ ہوا تھا۔ ان کی شہرت اور بڑھ گئی۔ ایک روز انہیں ایک عجیب خیال آیا۔ انھوں نے ایک مداری سے دو بندر خریدے، اپنی لیبارٹری میں ان بندروں کو لے گئے اور گھنٹوں اندر بند رہے۔ ہم باہر پریشان رہے۔ پھر تین دن بعد انھوں نے دونوں بندر ہمارے سامنے پیش کیے۔ اور بولے۔ ان بندروں کو غور سے دیکھو۔ ان میں کوئی فرق تو نظر نہیں آ رہا۔ ہم نے بندروں کو غور سے دیکھا، لیکن سمجھ نہ سکے کہ پروفیسر صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں، آخر انھوں نے بتایا۔

"میں نے ایک بندر کا سر گردن کے پاس سے کاٹ کر دوسرے بندر کی گردن پر فٹ کر دیا ہے اور دوسرے بندر کا سر پہلے بندر کی گردن پر۔"

"یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے۔"

"بس ـ میں یہ کام کر گزرا ہوں اور اب میں اپنے اس تجربے کو اخبارات کے صفحات پر لانا چاہتا ہوں۔"

ہم کیا کر سکتے تھے ـ انھوں نے ایک پریس کانفرنس بلائی اور اپنے کارنامے کی تفاصیل انھیں بتا دیں ـ دُوسرے دن اخبارات میں یہ ساری کہانی چھپ گئی ـ مُلک میں ایک شور مچ گیا ـ ہمارے ہاں ہزاروں لوگ اُمڈ پڑے ـ ہر کوئی ان بندروں کو دیکھنا چاہتا تھا ـ ایسے میں ایک دُوسرے سرجن نے اخبارات کو بیان دیا کہ ڈاکٹر مونگا سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں ـ ایسا نہیں ہو سکتا ـ اور اگر وُہ اتنے ہی ماہر ہیں تو ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کے سامنے یہ تجربہ دُہرائیں ـ پروفیسر صاحب نے یہ مقابلہ منظور کر لیا ـ چنانچہ ایک دن مقرر ہو گیا ـ اور پھر انھوں نے سب کے سامنے تجربہ کیا ـ اپریشن کے بعد بندروں کو تجربہ گاہ میں چھوڑ کر یہ گھر آ گئے ، کیوں کہ ابھی ان کے ٹھیک ہونے اور ہوش میں آنے میں تین دن لگنے تھے ـ تین دن بعد جب سب نے بندروں کا جائزہ لیا ـ" بیگم مونگا کہتے کہتے رُک گئیں ـ

"آپ ـ آپ رُک کیوں گئیں ـ جلدی بتائیے نا ـ پھر کیا ـ" محمود بے تابانہ انداز میں بولا ـ

"بس یہی پروفیسر صاحب سے غلطی ہوئی ـ انھیں تینوں دن

اس کمرے میں ہی گزارنے چاہییں تھے ـ" وُہ بولیں ـ

"جی ـ ہم سمجھے نہیں ـ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں ـ"

"تین دن بعد جب سب لوگ اس کمرے میں داخل ہوئے تو دونوں بندر مُردہ پڑے تھے ـ"

" اوہ !" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ـ

"ڈاکٹر صاحب کا خوب مذاق اڑا ـ یہ بھونچکے رہ گئے ـ ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ـ آسمان گھومتا محسوس ہوا ـ ادھر ڈاکٹرز قہقہے پر قہقہے لگا رہے تھے ـ اور پھر دُوسرے دن کے اخبارات نے بھی خوب طوفان مچایا ـ بہت بدنامی ہوئی ، طبّی بورڈ بیٹھا ـ اس نے پروفیسر صاحب کو مُلازمت سے نکال دینے کا فیصلہ کیا ـ مُلازمت سے نکلنے کے بعد شہر میں رہنا ہمارے لیے مُشکل ہو گیا ـ یہ ہمارا آبائی مکان تھا ـ ہم شہر سے اُٹھ کر یہاں آ گئے ـ وُہ دن اور آج کا دن ـ ہم یہیں ہیں ـ اگرچہ اس واقعے کو بہت دن گزر گئے ہیں ، لیکن ہم نے پھر شہر جانے کی جرأت نہیں کی ـ"

" اوہ ـ بہت افسوس ہوا ـ یہ سُن کر ـ لیکن اب آپ کی گزر بسر کس طرح ہوتی ہے ـ"

" اچھے دنوں میں پروفیسر صاحب نے چند دکانیں بنوائی تھیں ـ وُہ دکانیں کرائے پر چڑھی ہوئی ہیں ـ پروفیسر صاحب

ہر ماہ جاتے ہیں اور کرایہ لے آتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں
بھی لے آتے ہیں۔ یہاں ہم نے مرغ اور بکریاں پال رکھی
ہیں گوشت اور انڈے ان سے مل جاتے ہیں اور دودھ بھی۔"
یہ کہتے کہتے بیگم مونگا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پروفیسر اور
ان کی بیٹی بھی رونے لگے۔

وہ بھی غمگین ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایسے میں فرزانہ نے
کہا:

"کیا آپ کے خیال میں اس طرح انسانوں کے سر بھی
بدلے جا سکتے ہیں؟"

"اس پر بھی تجربہ کیا جا سکتا ہے۔ اور میں نے بندروں
پر تجربہ اسی نیت سے کیا تھا۔ اب دیکھیے نا۔ یہ تجربہ کس
قدر کارگر رہتا۔ ایک حادثے میں ایک شخص کا نچلا دھڑ
بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ دوسرا آدمی مر گیا ہے۔ مردہ آدمی
کا دھڑ کاٹ کر ہم اس کی گردن پر فٹ کر سکتے ہیں۔
اس طرح کم از کم ایک آدمی تو زندہ سلامت رہ سکتا تھا۔ یہ
تھی بنیاد۔ جس کی وجہ سے میں نے وہ تجربہ کیا تھا، لیکن
افسوس۔ سب کے سامنے جو تجربہ کیا، وہ ناکام ہو گیا۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ ناکام کس طرح ہو گیا۔ آپ تو وہ
تجربہ پہلے ہی کر چکے تھے۔"

"اس بات پر تو مجھے بھی آج تک حیرت ہے۔"

"ہوں۔ کیا یہ تجربہ آپ نے پھر بھی کبھی کیا؟"

"نہیں۔ اس دن کے بعد تو میں نے کوئی چھوٹا سا اپریشن
بھی نہیں کیا۔"

"چار روز پہلے ادھر ایک صاحب آئے تھے؟" محمود نے پوچھا۔

"ایک صاحب۔ کیا مطلب؟" پروفیسر چونک کر بولے۔

"یہ سوال ہم نے زوبی صاحبہ سے بھی کیا تھا۔ لیکن —
انھوں نے بھی جواب گول کر دیا تھا۔ مہربانی فرما کر جواب دیں۔"

"ہاں! چند آدمی ایک صاحب کو لے کر میرے پاس آئے
تھے۔ اس شخص کا جگر خراب تھا اور وہ چاہتے تھے، میں اس
کا جگر بدل دوں۔ لیکن میں نے انھیں بتایا کہ اس قسم کے
کام میں نے مدت ہوئی چھوڑ دیے ہیں۔"

"اوہ۔ تو وہ لوگ اس شخص کو لے کر چلے گئے تھے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اور کیا وہ آدمی بے ہوش تھا؟"

"ہاں۔ مکمل طور پر بے ہوش تھا۔ وہ کندھے پر اُٹھا کر
یہاں تک آئے تھے۔"

"لیکن۔ ان فوجیوں نے انھیں کس طرح آنے دیا؟"

"انھوں نے میرا نام لیا تھا۔ فوجی میرے ملاقاتیوں کو نہیں

روکتے۔ وہ مجھے جانتے ہیں۔ یوں بھی کبھی مشکل سے ہی میرا کوئی ملاقاتی آتا ہے۔"

"ہوں۔ وہ لوگ اسی وقت چلے گئے تھے۔ یا کچھ دیر ٹھہر کر؟"

"اسی وقت۔ وہ ٹھہرے نہیں تھے۔"

"آپ ان صاحب کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔ جن کا جگر خراب تھا۔" محمود بولا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ وہ بہت بھاری بھرکم آدمی تھا۔ بہت بڑا چہرہ تھا اس کا۔ ڈیل ڈول بھی کم نہیں تھا۔"

"شکریہ۔ کیا آپ ہمیں اپنے اس پرانے گھر کی سیر نہیں کرائیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"ضرور کیوں نہیں۔ آپ تو ہمارے مہمان ہیں۔"

گھر بہت پرانی طرز کا تھا۔ انھیں اس میں کوئی تجربہ گاہ یا لیبارٹری بھی نظر نہیں آئی۔ آخر آدھ گھنٹے بعد وہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

"ارے بس۔ کچھ دیر تو رکیے۔ زوبی آپ کے لیے چائے تیار کر چکی ہو گی۔"

"جی نہیں۔ ہمیں دیر ہو جائے گی۔"

"زوبی کو رنج ہو گا۔ اور۔ اور ہمیں بھی۔"

"اچھا!" ان کے منہ سے نکلا۔

چائے پی کر وہ وہاں سے رخصت ہوئے۔ انھیں عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ ایک بار جو مڑ کر دیکھا تو ان تینوں کی آنکھوں میں آنسو تیرتے نظر آئے۔

آخر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے ان کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔ پہلے وہ سلمان بھائی کو لے کر یہاں آتے، اور پھر واپس لے گئے۔ اور لے جا کر اپریشن کر ڈالا۔ میرا خیال ہے۔ کوئی ڈاکٹر یا چند ڈاکٹر مل کر اس وقت سے اس تجربے کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اور آخر انھوں نے یہ تجربہ سلمان بھائی کی صورت میں کر ڈالا ہے۔ لیکن۔ سوال یہ ہے کہ وہ پتلا دبلا آدمی کون تھا۔ جس کا دھڑ ان کی گردن کے ساتھ فٹ کیا گیا ہے؟"

"شہر جا کر ہی کچھ معلوم ہو گا" فاروق بڑبڑایا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں فوجی کھڑا تھا:

"ہاں جی۔ ہو گئی آپ کی تفتیش مکمل؟"

"جی ہاں! ایک بات پر ہمیں حیرت ہے۔" محمود بولا۔

"کس بات پر؟"

"تین دن پہلے یہاں چند آدمی آئے تھے۔ انھیں پروفیسر مونگا

سے ملاقات کرنا تھی۔"

"ہاں تو پھر۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایک بیمار آدمی بھی تھا۔" فاروق مسکرایا۔

"مجھے تو اس میں بھی کوئی حیرت کی بات محسوس نہیں ہوئی۔" اس نے منہ بنایا۔

"آپ نے ہمیں یہ بات نہیں بتائی تھی۔"

"پروفیسر مونگا سے کسی کا ملنے کے لیے آنا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ اور پھر ان کے ساتھ جو بیمار تھا۔ وہ بے ہوش بھی تھا۔ انھوں نے بتایا تھا کہ اس کے اپریشن کے سلسلے میں پروفیسر سے مشورہ کرنا ہے۔"

"دیکھیے جناب ہم بھی تو قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے اس طرف گئے تھے۔ آپ کو یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ قدموں کے نشانات تو پروفیسر مونگا کے ملاقاتیوں کے بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ہاں واقعی۔ یہ بات تو ہے۔"

"چلیے خیر۔ کوئی بات نہیں۔ آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔"

اور وہ وہاں سے شہر کی طرف چل پڑے۔

"اب یہ فاصلہ کیسے طے ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بس پیدل ہی طے ہو گا۔ جب تک کوئی ٹیکسی نہیں مل جاتی۔" محمود بولا۔

"ہم اس کیس کی سب سے اہم کڑی کو اب تک بالکل نظر انداز کرتے آئے ہیں۔ شہر پہنچ کر پہلے اس کڑی کو لینا ہو گا۔" فرزانہ نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"کون سی کڑی۔ ایک تو یہ کڑیاں ہر وقت ہمارے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔"

"وہ کڑی ہے۔ ڈرائیور۔ سلمان بھائی کا ڈرائیور۔ وہ بھی تو ان کے ساتھ تھا۔ آخر وہ کہاں ہے۔ اس کے گھر والوں کو کوئی پریشانی کیوں نہیں ہے۔"

"پریشانی کیوں ہوتی۔ آخر وہ سلمان بھائی کے ساتھ گیا ہے، اور تین چار دن کا پروگرام تھا۔ اس لیے انھیں تو یہی معلوم ہے۔ کہ تین چار دن بعد لوٹ آئے گا۔"

"ہُوں۔ یہی بات ہے۔ بہرحال۔ اب لے دے کے ہمارے پاس ڈرائیور ہی رہ جاتا ہے۔ جس کے ذریعے ہم کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔"

"ایک بات اور رہ گئی۔ ہم نے فوجی سے ان لوگوں کے حلیے نہیں پوچھے۔ یہ بات بہت اہم تھی۔ شاید انکل اکرام کسی کا حلیہ سن کر چونک اٹھیں اور ہمارا کام آسان ہو جائے۔"

"واقعی - یہ بہت ضروری ہے۔"

"تو پھر واپس چلتے ہیں۔"

"ہاں بس - یہی کام کرتے رہو - اس طرح ہم ضرور شہر پہنچ جائیں گے۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"کیا کیا جائے - مجبوری ہے - اور ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

"کندھے تو اچکا ہی سکتی ہو۔"

محمود اور فرزانہ مسکرا دیے - وہ واپس مڑ گئے - جوں ہی فوجی کے نزدیک پہنچے - اس کی آنکھوں میں بلا کی حیرت نمودار ہو گئی -

"آپ لوگ پھر آ گئے؟"

"جی ہاں! یہ ہماری پرانی عادت ہے - ہم پھر آ جانے کے عادی ہیں۔" فاروق بولا۔

"میں سمجھا نہیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"اس میں آپ کا کیا قصور - اس کی باتیں لوگوں کی سمجھ میں آتی ہی نہیں۔"

"خیر - آپ لوگ پھر کیوں آئے؟"

"ہم دوبارہ اس لیے آئے ہیں کہ آپ سے ان لوگوں کے حلیے معلوم کرنا بھول گئے تھے - دوسرے یہ بھی بتا دیں - وہ

کس روز آئے تھے؟"

"آج سے تین روز پہلے - ان میں ایک بہت موٹا تھا - اس کا رنگ کالا تھا - آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں - دوسرا بہت لمبا اور دبلا پتلا تھا - اس کی آنکھیں بہت بڑی بڑی تھیں - چہرہ بھی لمبوترا - تیسرا بہت چھوٹے قد کا تھا - اس کی ناک کی نوک پر ایک سرخ رنگ کا تل تھا - اور چوتھا درمیانی قد و قامت کا تھا - اس کے نقوش مجھے یاد نہیں رہے - عام سے تھے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" محمود نے چاروں کے حلیے اپنی نوٹ بک میں لکھتے ہوئے کہا۔

اب وہ واپس مڑے -

آخر شہری حدود میں انھیں ایک ٹیکسی مل گئی - اس کے ذریعے وہ سلمان بھالی کے گھر پہنچے - دستک دینے پر فیاض بھالی نے دروازہ کھولا:

"اوہو - آپ لوگ - خیریت تو ہے؟"

"آپ کے والد کے سلسلے میں خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔" محمود نے کہا -

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"آپ کے والد فریاد لے کر ہمارے پاس آئے تھے۔"

"سمجھا۔ آپ اس مکار آدمی کی بات کر رہے ہیں۔ جو میرے والد صاحب کے میک اپ میں یہاں آیا تھا۔ تو وہ یہاں سے آپ کے پاس پہنچ گیا۔ بہت پ ر ک ہے۔" فیاض نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"اس بات کو چھوڑیں۔ اور یہ بتائیں۔ آپ کے والد کو کب واپس آنا تھا؟"

"کل شام۔ لیکن وہ نہیں پہنچے۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں، لیٹ ہوگئے ہوں گے۔"

"اور جس جگہ وہ گئے ہیں۔ آپ کو وہاں فون تو کر لینا چاہیے تھا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"کیوں۔ اس کی کیا ضرورت۔ ہمیں تو اس کی باتوں پر یقین ہی نہیں آیا تھا۔ تو فون کیوں کرتے بھلا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان کا نچلا دھڑ بدل جائے۔"

"طب نے بہت ترقی کر لی ہے۔ ایسے ایسے تجربات کیے جا چکے ہیں کہ ہم ان پر مشکل سے ہی یقین کر سکتے ہیں۔" محمود نے بتایا۔

"کیا مطلب۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایسا ممکن ہے۔" فیاض نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! مہربانی فرما کر آپ اس جگہ فون کرکے دیکھ لیں۔

آخر اس میں آپ کا کیا حرج ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اگرچہ مجھے سو فی صد یقین ہے۔ کہ ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے باوجود میں فون کر لیتا ہوں۔"

"شکریہ۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

وہ انہیں لے کر اندر آیا۔ اسی وقت اس کی والدہ اور بہن آتی نظر آئیں:

"اوہو۔ یہ لوگ ہیں۔ بہت دنوں بعد شکل دکھائی۔" بیگم سلمان بولیں۔

"اس وقت بھی یہ لوگ اس مکار آدمی کے وکیل بن کر آئے ہیں۔" فیاض نے منہ بنایا۔

"مکار آدمی۔ کیا مطلب۔ اور تم اس بدصورت آدمی کی بات کر رہے ہو۔" بیگم سلمان چونکیں۔

"ہاں امی جان۔ وہ یہاں سے ناکام ہو کر ان کے پاس گیا۔ اور انہیں اس کی باتوں پر یقین آ گیا۔"

"نہیں۔ یہ بات نہیں۔ ہم تو یقین کرنے یا نہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"آئیے۔ ہم فون کرتے ہیں۔"

"فون۔ کس کو فون کرنا ہے؟" فیاض کی بہن بولی۔

"ڈیڈی کو۔ تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ فراڈ ہے۔" نیاض نے کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔"

فون والے کمرے میں پہنچ کر نیاض نے نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ہی نمبر مل گیا۔ اور اس نے کہا:

"ہیلو۔ کون۔ انکل آپ ہیں۔ میں نیاض بھائی بول رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر ابا جان کو فون پر بلا دیں۔" یہ کہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا۔ فوراً ہی اس کی پیشانی پر لکیریں اُبھر آئیں۔ اور پھر ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"کک۔ کیا بات ہے نیاض؟" بیگم سلمان چلائیں۔

"بھائی جان۔ خیریت تو ہے۔" بہن کے منہ سے نکلا۔

"وہ۔ وہ۔ ڈیڈی۔ ڈیڈی تو وہاں پہنچے ہی نہیں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ چلاّنے کے انداز میں نکلا۔

"تمہارا مطلب ہے۔ ڈیڈی اپنے کاروباری دوست اختر نیازی کے گھر پہنچے ہی نہیں۔" نیاض کی بہن نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"لیکن پھر ان لوگوں نے ہمیں کیوں اطلاع نہیں دی۔"

"انھوں نے سوچا ہوگا۔ کہ مصروفیت کی وجہ سے وہ نہیں آ سکے۔ آ جائیں گے۔"

"حیرت ہے، پھر ڈیڈی کہاں چلے گئے۔"

"اور اب اس شخص کی کہانی پر غور کریں۔ جس کو آپ نے ڈیڈی ماننے سے انکار کر دیا ہے۔"

"اوہ۔ لل۔ لیکن۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

"ہم یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ڈرائیور کا نام اور پتا بتا سکتے ہیں آپ لوگ؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ اس کا نام ریاض کوکی ہے۔ ۲۰۴ جامی روڈ پر رہتا ہے۔"

محمود نے یہ پتا بھی نوٹ کر لیا۔ سلمان بھائی کے کاروباری دوست کا نام بھی لکھ لیا، پھر بولا:

"اختر نیازی کا فون نمبر اور پتا بھی لکھوا دیں۔"

نیاض نے پتا اور فون نمبر لکھوانے کے بعد بے تابانہ انداز میں کہا:

"آخر۔ یہ چکر کیا ہے۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم بہت جلد آپ لوگوں کو بتا سکیں گے کہ چکر کیا ہے۔" محمود نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ان سے رخصت ہو کر وہ جامی روڈ پہنچے۔ محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور پھر انھیں ایک زبردست دھچکا لگا۔

اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

نیلی کار والا

"فرمایئے۔ آپ کو کس سے ملنا ہے؟" دروازہ کھولنے والے نے کہا۔

"جی۔ ریاض کوکی صاحب سے۔ وہ یہیں رہتے ہیں نا؟" محمود نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! یہیں رہتے ہیں۔ لیکن اس وقت گھر میں موجود نہیں ہیں۔"

"کہاں گئے ہیں۔ آپ کو کچھ معلوم ہے؟"

"وہ دراصل سلمان بھائی صاحب کے ڈرائیور ہیں۔ ان کے ساتھ ہی گئے ہوئے ہیں کسی دوسرے شہر۔"

"اوہ۔ آپ کون ہیں؟"

"میں۔ میں ان کا چھوٹا بھائی ہوں۔ انور بخاری۔"

"یہ کیا بات ہے۔ وہ کوکی۔ آپ بخاری۔" فاروق حیرت زدہ انداز میں بولا۔

"ان کا اصل نام بھی ریاض بخاری ہے — لیکن کوکی مشہور ہو گیا —"

"ہوں — آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

"میں — کیوں — آپ کس لیے پوچھ رہے ہیں؟"

"بس ایسے ہی۔"

"میں بھی ڈرائیور ہوں۔"

"آپ بھی کسی کی کار چلاتے ہیں؟"

"ہاں! ڈاکٹر اقرار صابر کی — وہ شہر کے بہت بڑے ڈاکٹر ہیں۔"

"اور ان کا کلینک کہاں ہے؟"

"ان کی کوٹھی میں — نیو لالہ زار میں رہتے ہیں — کوٹھی نمبر ۳۰۔"

"بہت بہت شکریہ۔" وہ جانے کے لیے مڑے۔

"آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ بھائی صاحب سے کس سلسلے میں ملنا تھا۔"

"ایک ضروری کام تھا — جو ہم انھی کو بتا سکتے ہیں۔"

وہ مڑے اور سڑک کی طرف چل پڑے — اپنے پیچھے انھوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی —

"اس مکان کی نگرانی کی ضرورت ہے — میں یہیں ٹھہرتا ہوں، تم سڑک پر جا کر انکل اکرام کو فون کر دو — وہ اپنا ایک ماتحت

یہاں بھیج دیں۔" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

"اور اس دوران؟" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"اس دوران ہمیں یہیں ٹھہرنا ہوگا۔"

"ہوں — ٹھیک ہے — فرزانہ تم بھی یہیں ٹھہرو — میں فون کر آتا ہوں۔" فاروق نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا سڑک کی طرف چلا گیا —

فاروق کو گئے ابھی ایک منٹ ہی گزرا ہوگا کہ ریاض کوکی کے گھر کا دروازہ کھلا اور اندر سے ایک لڑکا باہر نکلا، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر جوں ہی اس کی نظریں ان پر پڑیں — وہ یک دم مڑا اور دروازہ بند ہو گیا:

"اسے انور بخاری نے بھیجا تھا — تاکہ دیکھ کر اسے بتا سکے، ہم جا چکے ہیں یا نہیں۔"

"ہوں! اس کا مطلب ہے — وہ کہیں باہر جانا چاہتا ہے، اس صورت میں ہمیں یہاں نہیں — آگے کہیں کھڑے ہونا چاہیے تاکہ وہ باہر نکل آئے اور ہم تعاقب کر سکیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے — آؤ سڑک پر چلیں۔"

دونوں سڑک پر پہنچے ہی تھے کہ فاروق آتا نظر آیا:

"کیوں! کیا نگرانی کا پروگرام ختم ہو گیا۔"

"ہاں! اس کی بجائے — تعاقب کا پروگرام ہے۔"

"تعاقب - کس کا تعاقب؟" فاروق نے چونک کر پوچھا۔

"انور بخاری کا - اس کا ارادہ گھر سے نکلنے کا ہے۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" فاروق خوش ہو گیا۔

پانچ منٹ بعد ہی انھوں نے انور بخاری کو سڑک کی طرف آتے دیکھ لیا - وہ ایک طرف ہٹ گئے اور کسی ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگے - انور بخاری بھی سڑک پر آ کر کھڑا ہو گیا -

"کہیں ٹیکسی کا معاملہ گڑبڑ نہ ہو جائے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"فاروق — انکل ملے یا نہیں؟"

"ہاں! وہ محمد حسین آزاد کو بھیج رہے ہیں، لیکن اب کیا فائدہ۔"

"ہوں! خیر دیکھا جائے گا۔"

کئی منٹ گزر گئے - نہ انور بخاری کو کوئی ٹیکسی مل سکی اور نہ انھیں - اور پھر اچانک ایک جیپ ان کے قریب آ کر رک گئی -

"یہاں کیوں کھڑے ہیں جناب۔"

آواز محمد حسین آزاد کی تھی -

"بھئی واہ - بہت اچھے وقت پر آئے۔"

"میں بہت بُرے وقت پر کبھی نہیں آتا - ہاں جیپ یا

موٹر سائیکل پر ضرور آ جاتا ہوں۔" محمد حسین آزاد نے کہا۔

"ہائیں ہائیں - تم نے بھی پر پرزے نکال لیے۔"

"مجبوری ہے - آپ لوگوں کو دیکھ کر رنگ پکڑ لیا ہے۔" وہ مسکرایا -

"ہمیں خربوزے کہہ رہے ہو۔" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"جی نہیں تو - اگر آپ کو کہوں گا تو خود بھی خربوزہ بننا پڑے گا - اسی لیے میں نے منہ سے خربوزے کا لفظ نہیں نکالا۔" محمد حسین آزاد نے کہا۔

"ہوں - چالاک ہو گئے ہو۔" محمود نے کہا اور تینوں جیپ میں سوار ہو گئے -

"یہ کیا — مجھے تو یہاں کسی مکان کی نگرانی کرنا تھی۔" وہ چونکا -

"اب اس کی ضرورت نہیں رہی - جس کی نگرانی کرنا تھی - وہ سامنے کھڑا ہے۔"

"اوہو اچھا - لیکن یہ یہاں کیوں کھڑا ہے؟"

"بے چارہ ٹیکسی کا انتظار کر رہا ہے - ہم بھی کچھ دیر پہلے یہی کام کر رہے تھے، لیکن تمھاری آمد نے اس کام سے نجات دلا دی۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"تو میرا شکریہ تو ادا کر دیں۔" محمد حسین آزاد نے پریشان

ہو کر کہا۔

"اوہ ہاں۔ بہت بہت شکریہ!"

"اس قیمتی شکریے کا شکریہ۔" محمد حسین آزاد نے مسکرا کر کہا۔

"اوہو۔ یہ تو واقعی ہمارا رنگ چڑھ گیا ہے۔"

اسی وقت ایک ٹیکسی انور بخاری کے قریب رُکی:

"ہوشیار ہو جاؤ بھئی۔ گھبرائے بغیر تعاقب کرو گے نا۔"

"اب میں اتنا اناڑی بھی نہیں ہوں۔"

"اور اس کو شک بھی نہ ہو سکے کہ ہم تعاقب کر رہے ہیں۔"

"فکر نہ کریں۔" اس نے کہا۔

تعاقب شروع ہوا اور انھیں حیرت ہونے لگی۔ محمد حسین آزاد واقعی بہت مہارت سے تعاقب کر رہا تھا۔ فاروق سے رہا نہ گیا:

"تعاقب میں اتنی مہارت کیسے حاصل کر لی؟"

"انسپکٹر صاحب کی صحبت نے بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ کیسے تو یہ بھی بتا دوں کہ ہمارا بھی تعاقب ہو رہا ہے۔"

"ارے!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

★

ان کی سٹی گم ہو گئی۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

"بہت خوب۔ آپ بھی بہت تیز ہیں۔ مجال ہے جو پیچھے مڑ کر دیکھا ہو۔"

"اس لیے کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے سے آدمی پتھر کا ہو جاتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"جی۔ میں سمجھا نہیں۔"

"آپ بچپن میں جنوں، بھوتوں اور جادو کی کہانیاں پڑھتے رہے ہیں یا نہیں؟"

"نہیں۔ مجھے شوق نہیں تھا۔"

"اسی لیے آپ میری بات نہیں سمجھے۔ پرانے زمانے میں جب شہزادے شہزادیوں کو جنوں اور بھوتوں سے چھڑانے جایا کرتے تھے اور جادو کے دیس میں پیچھے مڑ کر دیکھ لیتے تھے تو خود بھی اس دیس میں پتھر کے بن جاتے تھے۔"

"کیوں مذاق کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ آپ کی عادت مذاق کرنے کی ہے۔"

"حد ہو گئی۔ بھئی یہ مذاق نہیں ہے۔ اس قسم کی کہانیوں کی کتابیں آج کل بھی ملتی ہیں۔ اس دور میں جب کہ سائنس نے ترقی کر لی ہے۔ انسان چاند پر جا پہنچا ہے۔ اور تو اور۔

صورت [illegible] کے وڈیو اور فلموں سے ہمارے ابھی تک اسی قسم کی کہانیاں لے کر بنتے رہے اور [illegible] رہے ہیں۔"

"اُف توبہ۔ اور ان سے کوئی پوچھتا نہیں کہ وہ بچوں کو یہ کیا دکھا رہے ہیں۔"

"پوچھنے کی فرصت کس کو ہے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہے۔"

"یہ تو واقعی افسوس ناک صورت ہے۔ اس کا تو نوٹس لینا چاہیے۔"

"لیکن لے کون؟" فاروق نے کہا۔

"آپ لوگ۔ انسپکٹر صاحب کو بھی ساتھ ملا لیں۔ وہ آئی جی صاحب کو ساتھ ملا لیں گے۔ اس طرح بات اوپر تک پہنچ جائے گی۔" محمد حسین آزاد نے کہا۔

"ہوں۔ بات واقعی معقول ہے۔ اس معاملے سے فارغ ہونے کے بعد یہ کام بھی کریں گے۔"

اسی وقت اگلی ٹیکسی ایک موڑ مڑ گئی۔

"ہاں تو انکل۔ ہمارا تعاقب کون کر رہا ہے؟"

"ایک نیلی کار۔ میں صرف ڈرائیور کو دیکھ رہا ہوں۔ پچھلی سیٹ پر کون ہے۔ کوئی ہے بھی یا نہیں۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیوں کہ کھڑکیوں پر پردے تنے ہوئے ہیں۔"

"لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ کار ہمارا تعاقب ہی کر رہی ہے۔"

"اس لیے کہ جب میں آہستہ کر لیتا ہوں۔ وہ بھی آہستہ کر لیتا ہے۔"

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ تم چلتے رہو۔"

"اب کیا خاک چلتا رہوں۔ ٹیکسی ایک گلی میں مڑ گئی ہے، اور اگر ٹیکسی اس گلی کے ذریعے دوسری سڑک پر نکل گئی تو ہمیں سڑک پر ہی رکنا پڑے گا۔"

"اوہ۔ اچھا۔ ہمیں تو باتوں میں پتا ہی نہ چلا۔" محمود نے کہا۔

"لیجیے۔ وہ گلی میں ہی رک گئی۔ اب کیا کیا جائے؟"

"تم بھی رک جاؤ۔ تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔"

"یہ۔ یہ کام آپ خود ہی کر لیں۔" اس نے گھبرا کر کہا اور وہ مسکرا دیے۔

انھوں نے انور بخاری کو ٹیکسی سے نکلتے دیکھا اور پھر ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ انور بخاری ایک کوٹھی کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ہمارا تعاقب کرنے والے کا کیا حال ہے؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"وہ بھی رک گیا ہے۔ لیکن بدستور کار میں ہی بیٹھا ہے۔"

محمد حسین آزاد نے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اب وہ ہمارا تعاقب کرتا ہوا گلی میں نہیں آ سکے گا۔" محمود بولا۔

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ گلی میں صرف میں جاؤں گا۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو گے۔" محمود نے کہا۔

اسی وقت انھوں نے انور بخاری کو کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا۔ محمود نیچے اُتر آیا اور گلی کی طرف بڑھا۔

"کیوں نہ میں تمھارے ساتھ چلوں۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"نہیں۔ صرف میں جاؤں گا۔" محمود سخت لہجے میں بولا اور آگے بڑھ گیا۔

فرزانہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"آخر تمھیں کیا پریشانی ہے؟" فاروق نے جھنّا کر پوچھا۔

"میں محمود کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ خطرات میں کودتے ہوئے ذرا نہیں سوچتا۔"

"فکر نہ کرو۔ ہمیں یہاں دور دور تک کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا۔" فاروق نے کہا۔

"خطرہ نظر آتے کیا دیر لگتی ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ارے۔ یہ کیا؟" محمد حسین آزاد کے منہ سے نکلا۔

"خیریت۔ کیا نظر آ گیا ہے؟"

"وہ۔ وہ کار سے نیچے اُتر رہا ہے۔"

"کک۔ کون۔ نیلی کار والا؟"

"ہاں۔ وہی۔ اور ہماری طرف آ رہا ہے۔"

"تو پھر۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ لگے ہاتھوں اس سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں گی۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن اس کے تیور بہت خطرناک ہیں۔ اور آگے بڑھنے کا انداز بہت خوف ناک ہے۔"

"انکل محمد حسین آزاد۔ ہم آپ کو اتنا ڈرپوک نہیں سمجھتے تھے۔"

"میں ڈرپوک ہی بھلا۔ بہتر ہوگا کہ میں جیپ کو آگے بڑھا لے جاؤں۔"

"خبردار۔ ایسا نہ کرنا۔" فرزانہ نے سرد آواز میں کہا۔ اور محمد حسین آزاد کی طرف گھور کر دیکھا۔

"اس۔ اس کے ہاتھ میں کوئی سیاہ رنگ کی چیز ہے۔ جو بم بھی ہو سکتا ہے۔"

"بموں سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم۔" فاروق

گنگنایا ۔

"کک ۔ کیا کر رہے ہیں ۔ آپ بموں سے نہیں ڈرتے۔"

"نہیں ۔ کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتے ۔ بس ہم تو ایک اللہ سے ڈرتے ہیں۔"

"تب پھر اس سے ملاقات کے لیے تیار ہو جائیے ۔ میں تو کھسک رہا ہوں ۔ بے موت مرنا مجھے پسند نہیں۔" محمد حسین آزاد نے لرزتی آواز میں کہا ۔

"تمھیں کیا ہو گیا انکل ۔ بھلا وہ کس طرح بم ہاتھ میں لیے ہماری طرف آ سکتا ہے۔"

"دیکھ لیں ۔ آ رہا ہے۔" وہ بولا ۔ اور پھر جیپ سے اتر کر اس گلی کی طرف بڑھا جس میں محمود گیا تھا ۔ اور محمود سے پہلے انور بخاری گیا تھا ۔

عین اسی لمحے نیلی کار والا جیپ کے پاس آ کھڑا ہوا ۔ وہ پچھلی سیٹ پر تھے ۔ اس نے پہلے تو ڈرائیونگ سیٹ اور ساتھ والی سیٹ پر ایک نظر ڈالی ۔ اور پھر پچھلی طرف آتے ہوئے بولا :

"میں تو آپ لوگوں کے لیے ایک تحفہ لایا ہوں اور آپ ہیں کہ ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں ، ایسا بھی کیا ۔ یہ لیجیے ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے کوئی چیز جیپ کے اندر لڑھکا دی اور خود تیزی سے نیلی کار کی طرف بڑھا ۔

فاروق اور فرزانہ اب جیپ میں کیسے بیٹھے رہ سکتے تھے ۔ انھوں نے بھی آن کی آن میں نیچے چھلانگیں لگا دیں ۔ اور نیلی کار کی طرف دوڑ پڑے ۔ بے شمار لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے :

"جیپ سے دور ہٹ جائیں۔" فاروق نے بلند آواز میں کہا ۔

لیکن بھلا اس کی بات کون سمجھتا ۔ سب نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو ۔

ادھر نیلی کار سٹارٹ ہو گئی ۔

"ارے ارے ۔ وہ نکلا جا رہا ہے۔" فرزانہ چلائی ۔

دونوں نے رفتار بڑھا دی ، لیکن اس وقت تک نیلی کار حرکت میں آ چکی تھی اور اگر وہ دوڑ کر ادھر ادھر نہ ہو جاتے تو کار ان پر سے گزر گئی تھی ، کیوں کہ کار والے نے یک دم رفتار بڑھائی تھی اور کار زبردست جھٹکا کھا کر آگے کی طرف بڑھی تھی ۔

دوسرے ہی لمحے کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا ۔ دونوں دھڑام سے گرے ۔ ان کے علاوہ اور بھی کتنے ہی راہ گیر منہ

بکے بل گر پڑے ۔ کئی کاریں آپس میں ٹکرا گئیں ۔ موٹر سائیکلیں اور سائیکلیں آپس میں اُلجھ گئیں ۔

انھوں نے دھماکے کے اثر سے نجات حاصل کرتے ہی سر اُٹھا کر دیکھا ۔

نیلی کار کا دُور دُور تک پتا نہ تھا ۔۔

تعاقب

محمود اور محمد حسین آزاد نے دھماکے کی آواز سُنی تو سڑک کی طرف دوڑ پڑے ۔ محمد حسین آزاد کا تو رنگ اڑ گیا ، کیوں کہ اسے پہلے ہی خیال گزر چکا تھا کہ آنے والا بم مارنے آ رہا ہے ۔

دونوں دوڑتے ہوئے سڑک پر پہنچے ۔ انھوں نے دیکھا ، تھوڑی دیر پہلے جس جگہ جیپ کھڑی تھی ، وہاں اب جیپ کے ٹکڑے موجود تھے ۔ اور ساری سڑک کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا ۔ چیخ و پکار اٹھ رہی ہوئی تھی ، نہ جانے کتنے لوگ زخمی ہوئے تھے ۔ کتنی گاڑیاں آپس میں ٹکرائی تھیں ۔ دونوں کے رنگ اُڑ گئے ۔ محمود پوری قوت سے چلّایا :

" فاروق ۔ فرزانہ ۔ تم کہاں ہو ؟ "

" گھبرانے کی ضرورت نہیں ۔ ہم یہاں ہیں ۔ اور خیریت سے ہیں ۔ " فرزانہ کی آواز نے محمود کو نئی زندگی عطا کر دی ۔ وہ ان کی طرف لپکا ۔

"تو میرا خیال ٹھیک نکلا۔" محمد حسین آزاد بڑبڑایا۔

"ہاں! ہمیں افسوس ہے۔ ہم نے تمھارے خیال کو کوئی اہمیت نہیں دی۔" فرزانہ بولی۔

"کیا بات تھی۔ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔" محمود نے کہا۔

فاروق نے اسے نیلی کار والے کے بارے میں بتا دیا۔ پھر جلدی سے بولا،

"ارے۔ ہم اسے تو بھول ہی گئے۔ جس کے تعاقب میں آئے تھے۔"

"ہاں! اب جیپ تو تباہ ہو ہی چکی ہے۔ اور نیلی کار والا بھی فرار ہو چکا ہے۔ اس لیے آؤ۔ گلی میں چلتے ہیں۔"

"وہ یہاں کس کے پاس آیا ہے؟"

"خود ہی دیکھ لو۔ چل کر۔" محمود نے کہا۔

"ابھی تو ہمارے لیے کتنے بے چین ہو رہے تھے اور اب سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"وہ اور بات تھی۔" محمود مسکرایا۔

آخر وہ اس کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے جس میں انور بخاری داخل ہوا تھا۔ انھوں نے دیکھا۔ اس کوٹھی کے دروازے پر ڈاکٹر اقرار صابر کے نام کی تختی لگی تھی۔

"ڈاکٹر اقرار صابر۔ سرجن۔" فاروق بڑبڑایا۔

"تت۔ تو یہ بھی سرجن ہے۔ اللہ اپنا رحم فرمائے۔ اس کیس میں سرجنوں ہی سرجنوں سے ملاقات ہو رہی ہے۔"

"ہاں۔ کہیں ہمارا ہی اپریشن نہ کر دیں۔"

"ایک اپریشن سے تو بال بال بچے ہیں۔"

"ہوں۔ کیا انور بخاری اب تک اندر ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"دھماکا ہونے سے پہلے تک تو اندر ہی تھا۔ دھماکا سن کر میں خود کو روک نہ سکا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا، اب نہیں کہ سکتا۔"

"تم سے غلطی ہوئی۔ تمھیں وہیں ٹھہرنا چاہیے تھا۔"

"ہاں! میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں، لیکن اب تو غلطی ہو چکی ہے۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"ویسے امید کی جا سکتی ہے کہ انور بخاری ابھی اندر ہے۔" محمد حسین آزاد نے کہا۔

"صرف امید ہی کی جا سکتی ہے نا۔ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا۔ جب کہ سراغ رسانی میں صرف یقین والی باتوں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ انکل۔ اتنا بھی نہیں معلوم۔"

"سیکھ رہا ہوں نا۔" محمد حسین آزاد مسکرایا۔

"سوال یہ ہے کہ سڑک پر ہونے والے حادثے کے بارے

میں کیا کیا جائے؟

"دفتر اطلاع دینا پڑے گی۔ آخر دفتر کی جیپ تباہ ہوئی ہے۔"

"ہوں۔ بات ٹھیک ہے۔ آپ جا کر فون کریں۔ ہم انور بخاری کے نکلنے کا انتظار کریں گے۔ اور اگر پندرہ منٹ تک بھی وہ نہ نکلا تو پھر ہم بھی ڈاکٹر اقرار صابر سے ملاقات کریں گے۔ چاہے کچھ ہو جائے۔"

محمد حسین آزاد تیز تیز قدم اُٹھاتا چلا گیا۔ اسی وقت انھوں نے کوٹھی کا دروازہ کھلتے دیکھا۔ اور پھر انور بخاری کو باہر آتے دیکھا۔ وہ بھی سامنے ہی کھڑے تھے۔ انور بخاری نے انھیں دیکھ لیا۔ اس کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ تیزی سے مُڑا اور دوسری سڑک کی طرف قدم اُٹھانے لگا۔

"فاروق۔ تم اس کا تعاقب کرو۔ میں اور فرزانہ ڈاکٹر اقرار صابر سے مل کر آتے ہیں۔" محمود جلدی سے بولا۔

"ہمیشہ آسان کام خود کرو گے۔ محمد حسین آزاد کو بھی ادھر ہی بھیج دینا۔ شاید اس کے نکلنے سے پہلے وہ مجھ تک پہنچ جائے۔"

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔" محمود نے کہا اور فاروق تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔

"کیا ٹھیک ہے۔ اب ہمیں یہاں ٹھہر کر محمد حسین آزاد کا انتظار کرنا پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ دفتر فون کرنے گیا ہے۔ فون کرنے کے بعد اصولی طور پر اسے یہاں ٹھہرنا ہوگا۔"

"ہوں۔ آؤ پھر۔ چھوڑو فاروق کا خیال۔ وہ اتنا اناڑی نہیں ہے کہ محمد حسین آزاد کی مدد کے بغیر انور بخاری کا تعاقب نہ کر سکے۔"

دونوں ڈاکٹر اقرار صابر کی کوٹھی کے دروازے کی طرف قدم اُٹھانے لگے۔

سڑک پر پہنچ کر فاروق نے دائیں بائیں دیکھا۔ انور بخاری ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہا تھا۔ وہ گھبرا گیا۔ اگر تعاقب میں ناکام ہو جاتا تو محمود اور فرزانہ خوب مذاق اڑاتے۔ جب دُور دُور تک کوئی ٹیکسی نظر نہ آئی تو اسے اور تو کچھ نہ سوجھا، ایک کار کے سامنے آ گیا اور دونوں ہاتھ اُٹھا دیے۔ کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ کار والے نے بریک لگا دیے اور سر باہر نکالتے ہوئے کہا:

"کیا بات ہے بھئی ۔ مرنے کا ارادہ ہے کیا ؟"

"جی ۔ ابھی نہیں ۔ ویسے اللہ کی طرف سے بلاوا آجائے تو کچھ کیا نہیں جا سکتا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے یک دم کار کا پچھلا دروازہ کھول لیا اور اندر جا بیٹھا ۔ پچھلی سیٹ خالی ہی پڑی تھی ۔

"یہ ۔ یہ کیا ۔" کار والا بوکھلا گیا ۔

"لفٹ حاصل کرنے کا نیا طریقہ۔"

"لیکن میں اس طریقے کو بالکل پسند نہیں کرتا۔" وہ جھلا کر بولا ۔

"سوال پسند یا ناپسند کا نہیں ۔ ملک اور قوم سے ہمدردی کا ہے ۔ اور مجھے امید ہے ، آپ ملک اور قوم کے ہمدرد ہی ہوں گے ۔"

"کیا مطلب"

"اس ٹیکسی کو دیکھ رہے ہیں آپ ۔"

"ہاں ! دیکھ رہا ہوں تو پھر۔"

"اس میں ایک مجرم فرار ہو رہا ہے ۔ اور مجھے اس کا تعاقب کرنا ہے ، آس پاس کوئی ٹیکسی نظر نہیں آ رہی ۔ ڈر ہے ، وہ نکل نہ جائے ۔ اس لیے مہربانی فرما کر آپ اس کے پیچھے چلیے ۔"

"لیکن میں کیوں یہ کام کروں ۔ خود کو کیوں خطرے میں ڈالوں ۔"

"ملک کے لیے ۔ قوم کے لیے ۔ لوگ تو جانیں دے دیتے ہیں ، آپ اتنا کام نہیں کر سکتے ۔"

"نہیں ! میں ایسے چکروں میں نہیں پڑتا ۔ اور پھر آپ پولیس میں ملازم تو نہیں ہو سکتے ، ہمارے ملک میں ابھی اتنے نو عمر لوگوں کو ملازم نہیں رکھا جاتا ۔"

"ایک طرح سے میرا تعلق پولیس سے ہی ہے اور اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو پچھتانا پڑے گا ۔" فاروق نے جھلا کر کہا ۔

"اب تو میں ہرگز نہیں جاؤں گا ۔" وہ اڑ گیا ۔

"اور ٹیکسی چل پڑی ہے ۔ میرے پاس وقت بالکل نہیں رہ گیا ۔ لہٰذا مجبوری ہے ۔ آپ اپنی گردن پر کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس کر رہے ہیں ۔ کر رہے ہیں نا ۔ بس یہ پستول کی نالی ہے ، اب چلنے کے بارے میں کیا خیال ہے ؟"

"آ ۔ آپ ۔ اچھا نہیں کر رہے ۔" وہ ہکلایا ۔

"اس کا فیصلہ ہم بعد میں کر لیں گے ۔ اس وقت تو آپ چل دیجیے ۔"

آخر اس نے کار آگے بڑھا دی ۔ ٹیکسی کی رفتار بہت تیز تھی ، اس لیے اسے بھی بہت تیز چلنا پڑ رہا تھا ۔ اور اس کے چہرے

پر گھبراہٹ کے آثار طاری ہوتے جا رہے تھے:

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"دراصل میں نے اتنی تیز ڈرائیونگ کبھی نہیں کی۔"

"کوئی بات نہیں۔ آج کر لیں۔"

"لگ۔ کہیں چالان نہ ہو جائے۔"

"فکر نہ کریں۔ چالان ہو گا تو پہلے اس ٹیکسی کا ہو گا۔" فاروق مسکرایا۔

"میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔" کار والے نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"میں سمجھ گیا۔ آپ میرا نام اس لیے پوچھ رہے ہیں، تاکہ بعد میں کارروائی کر سکیں۔ ضرور کیجیے گا۔ میرا نام فاروق احمد ہے، ۲/۱ گرین روڈ یاد رکھیے۔ اور اگر یہ سوچ رہے ہیں کہ میں نے پتا غلط بتا دیا ہو گا تو میں اپنا کارڈ پیش کر دیتا ہوں۔"

"ہاں! ذرا دکھا ہی دیں۔" اس نے کہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔ لیکن مہربانی فرما کر ذرا سڑک پر رش کم ہو جانے دیں۔ کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

تعاقب جاری رہا۔ پندرہ منٹ بعد ٹیکسی ایک کم آباد سڑک پر مڑ گئی۔

"اب آپ اپنا کارڈ مجھے دکھا دیں۔"

"جی ہاں۔ ابھی لیجیے۔"

فاروق نے کہا اور بائیں ہاتھ سے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ دایاں ہاتھ بدستور گردن کی طرف رہا۔ کار والے نے کارڈ پر ایک نظر ڈالی اور پھر بولا:

"یہ کیا۔ ولدیت کے خانے میں جمشید احمد لکھا ہے۔"

"تو پھر۔ کیا یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور نیچے پیشہ محکمہ سراغ رسانی لکھا ہے۔ یہ پیشہ آپ کا ہے یا آپ کے والد کا؟"

"دونوں کا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تت۔ تو۔ تو کیا آپ انسپکٹر جمشید کے بیٹے فاروق ہیں۔"

"چوں کہ میں ہوں، اس لیے یہ نہیں کہہ سکتا کہ نہیں ہوں۔"

"اوہ۔ آپ نے پہلے کیوں نہ بتا دیا۔ میں فوراً آپ کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتا۔" اس نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"یہ بات تو مناسب نہیں۔ آپ کو تو ہر ایسے آدمی کی مدد کرنی چاہیے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے۔ اب [illegible] تو بتا دیجیے۔"

"پستول آپ کی گردن سے لگایا ہی کس کم بخت نے ہے۔ یہ تو کی رنگ میں لگا ہوا ننھا سا پستول ہے۔"

"ارے!" اس کے منہ سے نکلا۔

"سامنے دیکھیے۔ ٹیکسی دائیں طرف مڑ گئی ہے۔ او ہو۔ یہ ہم کہاں پہنچ گئے۔" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"کہاں پہنچ گئے؟" کار والا بوکھلا کر بولا۔

"غنڈوں کی بستی میں۔"

"غغ۔ غنڈوں کی بستی میں۔ کیا مطلب۔ کیا ہمارے شہر میں کوئی غنڈوں کی بستی بھی ہے؟"

"ہاں! غنڈوں نے اپنی آسانی کے لیے اپنی الگ بستی بسا لی ہے۔ معاشرہ تو انھیں پسند نہیں کرتا۔"

"اور پولیس۔ اس نے انھیں یہاں رہنے کی اجازت کس طرح دے دی؟" کار والے نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جرم سے پہلے تو پولیس کسی کو گرفتار نہیں کر سکتی۔ ان میں بہت سے سزا یافتہ ہیں۔ یعنی سزا کاٹ کر آئے ہوئے ہیں، اور یہاں آ کر آباد ہو گئے ہیں۔ اب جب تک وہ پھر کوئی جرم نہیں کرتے۔ پولیس انھیں کچھ نہیں کر سکتی۔"

"ہوں۔ بات ٹھیک ہے۔ لیجیے۔ ٹیکسی رک گئی۔" کار والے نے کہا۔

"آپ بھی رک جائیے۔"

اسی وقت انور بخاری ٹیکسی سے اترا اور بستی میں داخل ہو گیا۔ فاروق بھلا کب رکنے والا تھا۔

"مہربانی فرما کر آپ یہیں ٹھہریے گا۔" اس نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کریں۔ اب تو مجھے بھی اس کام میں لطف آ رہا ہے۔"

"آ رہا ہے نا۔ اب ذرا اندازہ لگا لیجیے۔ ہم تو پھر لطف کے بنڈل ہی جمع کر لیتے ہوں گے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے اس طرف بڑھا۔ جس طرف انور بخاری گیا تھا۔ اور پھر اس نے انور بخاری کو ایک گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ بستی کے تمام دروازے بند تھے اور گلی میں آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ فاروق نے بے چین ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا، پھر مکان کا جائزہ لیا۔ اس کے دائیں بائیں گیا، لیکن اندر داخل ہونے کا کوئی ذریعہ نظر نہ آیا۔ دروازہ بھی بند کر لیا گیا تھا۔ نام کی تختی بھی نہیں لگی ہوئی تھی۔ اس نے بے تابانہ انداز میں ہاتھ ملے۔ کر ہی کیا سکتا تھا۔ آخر قدرے فاصلے پر ہٹ آیا۔

پانچ منٹ بعد اس نے دور سے دیکھا۔ انور بخاری باہر نکل رہا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر وہ سیدھا ٹیکسی کی طرف چلا

گیا۔

فاروق چند لمحے تک سوچتا رہا۔ انور بخاری کا گھر تو انھیں معلوم ہی تھا۔ اسے تو پکڑا جا سکتا تھا؛ چنانچہ اس کے قدم اس دروازے کی طرف اُٹھنے لگے۔ اور پھر اس نے دستک دے ڈالی۔

جلد ہی اندر قدموں کی آواز اُبھری اور پھر چٹخنی گرائی گئی۔

ڈاکٹر صاحب

محمود نے دروازے کی گھنٹی بجائی ہی تھی کہ دروازہ کھل گیا۔ اسے یوں لگا جیسے دروازہ کھولنے والا پہلے ہی انتظار کر رہا تھا کہ کب گھنٹی بجے اور کب دروازہ کھول دے۔ انھوں نے دیکھا۔ دروازہ کھولنے والا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔

"ہاں جناب۔ کیا حکم ہے؟" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"ایک ضروری کام ہے ڈاکٹر صاحب سے۔ کیا دروازے پر ہی بتانا پڑے گا۔"

"نہیں۔ اندر آ جائیں۔" اس نے یہ کہہ کر راستا چھوڑ دیا۔

ایک شان دار طرز پر سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں انھیں بٹھایا گیا تو ڈاکٹر اقرار صابر نے کہا:

"ایک منٹ! میں ابھی آیا۔"

"جی اچھا۔ کوئی بات نہیں۔" فرزانہ نے کہا اور پھر اس کے جانے کے بعد سرگوشی کی:

"میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔"

"اللہ مالک ہے۔ فکر نہ کرو۔" محمود کی آواز پُر سکون تھی۔

تین منٹ بعد ڈاکٹر اقرار صابر کی واپسی ہوئی۔ محمود نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا:

"آپ صرف ایک منٹ کی اجازت لے کر گئے تھے۔ لوٹے ہیں تین منٹ بعد۔"

"اوہ۔ اوہ۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ ویسے ہیں عجیب — کسی نے مجھے آج تک ایسی بات نہیں کہی۔"

"اس لیے کہ ہمارے مُلک میں وقت کی قطعاً کوئی قدر نہیں۔" فرزانہ بولی —

"ہُوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ خیر فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ کے ڈرائیور کا نام انور بخاری ہے نا؟"

"ہاں۔ کیوں۔ کیا بات ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"اس کا بھائی ریاض گوگی غائب ہے۔ تین دن پہلے وُہ مسٹر سلمان بھالی کے ساتھ دُوسرے شہر کے لیے روانہ ہوا تھا — وُہ ان کا ڈرائیور ہے، لیکن اب اس کا کوئی پتا نہیں کہ کہاں ہے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ انور بخاری ابھی ابھی مجھے یہی بات بتا کر

گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"کیوں۔ وُہ یہ بات آپ کو کیوں بتانے آیا تھا، آپ کا اس بات سے کیا تعلق؟" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"پہلے تو یہ بتائیے۔ آپ کون لوگ ہیں اور یہ سوالات کیوں پُوچھ رہے ہیں۔ تیسرے یہ کہ میں آپ کے سوالات کے جوابات کیوں دوں۔"

"میں وضاحت کیے دیتا ہوں۔ ہم محمود اور فرزانہ ہیں۔ آپ نے انسپکٹر جمشید صاحب کا نام تو سُن رکھا ہوگا۔"

"اوہ۔ تو آپ وُہ محمود اور فرزانہ ہیں، لیکن آپ کے ساتھ تو ایک تیسرا نام بھی سُنا جاتا ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"جی ہاں۔ فاروق۔ وُہ اس وقت ذرا دُوسری طرف مصروف ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ مجھے آپ کے سوالات کے جوابات دینے چاہییں۔ اب یہ بتا دیں کہ چکر کیا ہے۔"

"سلمان بھالی۔ اپنے ڈرائیور ریاض گوگی کے ساتھ کاروباری دورے پر دُوسرے شہر جانے کے لیے گھر سے نکلے تھے، لیکن راستے میں ہی انھیں نیند آ گئی۔ ہوش آیا تو انھوں نے خود کو ایک سُنسان جنگل میں پایا۔ ڈرائیور کا کوئی پتا نہیں تھا۔ وُہ حیرت زدہ سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے، لیکن گھر والوں نے انھیں سلمان بھالی

ماننے سے انکار کر دیا، کیوں کہ ان کا نچلا دھڑ بدل چکا تھا۔"

"جی۔ دھڑ بدل چکا تھا۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ان کے سر کو کسی دوسرے کے دھڑ پر فٹ کر دیا گیا تھا۔"

"ارے باپ رے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے کانپ کر کہا۔

"آپ ایک ماہر سرجن ہیں اور یہ کہ رہے ہیں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کیا آپ کو پروفیسر مونگا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"وہ بدنام ڈاکٹر۔ ہاں میں انھیں جانتا ہوں۔"

"انھوں نے ایک بندر کی گردن دوسرے بندر کے دھڑ پر فٹ کر دی تھی۔"

"نہیں۔ وہ اس تجربے میں ناکام رہ گئے تھے۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔

"وہ ان کا دوسرا تجربہ تھا۔ پہلا تجربہ انھوں نے اپنی ذاتی لیبارٹری میں کیا تھا اور کامیاب ہو گئے تھے۔"

"انھوں نے گپ ماری تھی۔"

"خیر۔ ہمیں اس سے بحث نہیں۔ سلمان بھائی کے گھر والوں نے جب انھیں سلمان بھائی ماننے سے انکار کر دیا تو وہ ہمارے پاس

آئے۔ ہم ان کے بیٹے کے کلاس فیلو ہیں۔ انھوں نے ہمیں ساری بات بتائی۔ ہم اس جگہ پہنچے۔ جہاں انھوں نے خود کو بے ہوش پایا تھا۔ وہاں سے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے ہم آگے بڑھے، اور اس طرح ہم پروفیسر مونگا تک پہنچ گئے۔"

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر اقرار صابر بُری طرح چونکا۔

"قدموں کے نشانات ان کے پہاڑیوں کے اس پار گھر تک چلے گئے تھے۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پہاڑیوں پر نشانات کب بنتے ہیں؟" ڈاکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں، لیکن جب نشانات خود بنائے جائیں تو بن جاتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"جنگل میں جس جگہ سلمان بھائی کو ہوش آیا۔ سرخ بجری کا بہت سا برادہ بکھرا ہوا تھا۔ اس برادے کے نشانات پہاڑیوں پر بنے ہوئے تھے۔ صاف ظاہر ہے۔ وہ جان بوجھ کر بنائے گئے تھے۔"

"لیکن کیوں؟"

"تاکہ ہم پروفیسر مونگا پر شک کریں۔"

"اوہ۔ اور کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس ہم یہی جاننے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ بھی کہ تجربہ کس نے کیا ہے — اور تیسری بات یہ کہ سلمان بھائی کا ڈرائیور ریاض کوکی کہاں ہے۔"

"ہوں! اب بات کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی ہے — سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟"

"ریاض کوکی کی تلاش میں ہم اس کے گھر پہنچے — وہاں اس کے بھائی انور بخاری سے ملاقات ہوئی اور انور بخاری نے یہی بتایا کہ اس کا بھائی سلمان بھائی کے ساتھ دوسرے شہر گیا ہوا ہے — ادھر ریاض کوکی کے بھائی انور بخاری کو دیکھ کر ہم بھی بھونچکے رہ گئے تھے — اور ہم نے اس کی نگرانی کا فیصلہ کر لیا۔" محمود بتاتا چلا گیا —

"کیوں — اس میں ایسی کیا خاص بات نظر آئی آپ کو —"

"قوجی — جو ہمیں پہاڑیوں پر ملا — اس نے ان چار آدمیوں کے حلیے ہمیں بتائے تھے جو سلمان بھائی کو بے ہوش حالت میں پروفیسر مونگا تک لے گئے تھے — اور واپس بھی لائے تھے، ان چار میں سے ایک کی ناک کی نوک پر سُرخ رنگ کا تل تھا۔"

"کیا مطلب" ڈاکٹر اقرار صابر اپنی کرسی پر اچھل پڑا۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں —

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — یہ حلیہ تو — میرے ڈرائیور

بخاری کا ہے۔" آخر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

★

فاروق نے دیکھا — ایک بہت موٹا آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا — اس کا رنگ کالا تھا — آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں — اس نے دل ہی دل میں کہا — یہ بھی ان چار میں سے ایک ہے — جو سلمان بھائی کو پروفیسر مونگا تک لے گئے تھے —

"کیا بات ہے لڑکے؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"ایک سلسلے میں آپ سے کام ہے۔"

"تو پھر اندر آ جاؤ — کام ہی کرنے کے لیے تو پیدا ہوئے ہیں۔"

وہ اسے ایک گندے سے کمرے میں لے آیا — بھدی سی کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد اس نے کہا:

"ہاں! اب بتاؤ — کیا بات ہے؟"

"ہماری گلی میں ایک غنڈے نے لوگوں کا جینا دو بھر کر رکھا ہے — پولیس بھی اس کو کچھ نہیں کہتی — اس کا کچھ بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"ایسا ویسا — پورا پورا بندوبست ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر کر دیں" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ایسے ہی کر دوں۔ معاوضہ دینا ہوگا۔"

"کک۔ کتنا؟"

"تمام گلی والوں سے سو سو روپے جمع کر لاؤ۔ کتنے گھر ہوں گے گلی میں؟"

"پچاس تو ضرور ہوں گے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ پانچ ہزار روپے لا دو۔ اس غنڈے کی ایک تصویر بھی چاہیے۔"

"بہت بہتر۔ کل اسی وقت میں رقم اور تصویر لے آؤں گا۔" فاروق بولا۔

"ہاں ضرور۔ لیکن راز داری شرط ہے۔ اس معاملے کا کسی کو کانوں کان پتا نہ چلے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ تو پھر مجھے اجازت دیں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ تم جا سکتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ بھی اٹھا، پھر چونک کر بولا:

"ارے۔ مگر۔ تمہیں میرا پتا کس نے دیا تھا؟"

"جی۔ آپ کے کوئی جاننے والے تھے۔ نام تو میں نے ان سے پوچھا نہیں تھا۔ پتلے دبلے سے تھے اور لمبے قد کے۔ چہرہ بھی لمبوترا تھا۔" فاروق نے ان چار میں سے تیسرے کا حلیہ

دہرا دیا۔

"خیر۔ ٹھیک ہے۔ کیا اس نے میرا نام بھی بتایا تھا؟" وہ بولا۔

"جی نام۔ نہیں۔ نام نہیں بتایا تھا۔"

"تو پھر۔ تم یہاں تک کس طرح پہنچ گئے۔" اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"پپ۔ پتا۔" فاروق ہکلایا۔

"پپ۔ پتا۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس نے پتا سمجھا دیا تھا۔ گھر کا حلیہ وغیرہ بتا دیا تھا۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ خیر تم جا سکتے ہو۔" وہ جیسے مطمئن ہو گیا۔ فاروق باہر کی طرف چلا۔ ابھی کمرے سے نکلا نہیں تھا کہ وہ پھر بول اٹھا:

"ٹھہرو بھئی۔ مجھے ایک بات یاد آ رہی ہے۔"

"جی۔ بات یاد آ رہی ہے۔ کیا مطلب؟"

"ان۔ انور بخاری۔ مجھے یہی تو بتانے آیا تھا۔ کہ۔ کہ۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"جی۔ میں سمجھا نہیں۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"نہیں۔ تم۔ وہ نہیں ہو سکتے ہاں۔ وہ تو دو لڑکے اور

ایک لڑکی ہیں۔ تت۔ تو جا سکتے ہو۔"

"ایک بار پھر شکریہ!"

"وعلیکم۔ شکریہ۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا اور فاروق نکلا چلا گیا۔ ہر لمحے اسے ڈر لگتا رہا، کہیں وہ پھر اسے نہ روک لے۔ اب اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ انور بخاری اسے ہوشیار کرنے آیا تھا کہ ان سے ہوشیار رہے۔

وہ جلدی سے باہر نکلا۔ اور یہ دیکھ کر بھنا گیا کہ کار والا غائب تھا۔ اسے غصہ آ گیا۔ دانت پیستے ہوئے وہ آگے پیدل چلنے لگا، لیکن ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ وہی کار آتی نظر آئی اور اس کے قریب رک گئی۔

"بیٹھیے جلدی۔" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کہاں چلے گئے تھے؟" فاروق نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"وہ۔ وہ واپس آ گیا تھا اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا تھا۔ جب میں نے آپ کو آتے نہ دیکھا تو سوچا۔ کیوں نہ اس کا تعاقب کر ڈالوں۔ بس میں اس کے تعاقب میں نکل گیا۔"

"ارے واہ۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہو گئی۔ پھر اسے کہاں چھوڑ آئے ہیں؟"

"یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر گیا ہے وہ۔ میں نے سوچا،

کیوں نہ آپ کو بھی لے لوں۔ آپ پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"بھئی واہ۔ آپ نے تو کمال کر دیا۔ آپ میں ایک جاسوس بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔" فاروق نے چہک کر کہا۔

"کیا واقعی۔"

"ہاں۔ اب جلدی چلیے۔ کہیں وہ نکل نہ جائے۔"

اس نے رفتار بڑھا دی۔

"میں نے آپ کا نام نہیں پوچھا اب تک۔" فاروق بولا۔

"میرا نام۔ امجد مرزا ہے۔"

"م۔ مرزا۔ ارے باپ رے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں۔ آپ کو کیا ہوا؟"

"کک۔ کہیں آپ مرزائی یعنی جاپانی تو نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ میں مغل ہوں۔ اس لیے مرزا کہلاتا ہوں۔ اور یہ آپ نے کیا غلط بولا۔ جاپانی؟"

"یہ نام ہم نے مرزائیوں کا رکھا ہوا ہے۔ ملک کی جڑیں کاٹنے میں ان سے ماہر اس سرزمین پر اور کوئی نہ ہوگا۔"

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے۔ لیجیے۔ ہم پہنچ گئے۔ ارے۔ وہ۔ وہ تو نکلا جا رہا ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

فاروق نے جلدی سے سامنے دیکھا۔ ٹیکسی موڑ مڑ چکی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم بھی اس کے پیچھے چلیں گے۔"

ایک بار پھر تعاقب شروع ہو گیا۔ اور پھر وہ اپنے گھر کے پاس ٹیکسی سے اُتر گیا۔ جلد ہی انھوں نے اسے گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔

"بس جناب۔ تعاقب کا سلسلہ ختم ہو گیا۔" فاروق بولا۔

"کیوں۔ ختم کیوں ہو گیا؟" اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"اس لیے کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے۔"

"اوہ!" وہ بولا۔

"شاید آپ ابھی اور تعاقب کرنا چاہتے تھے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! مزا آ رہا تھا۔" اس نے کہا۔

"اب آپ اپنے کام جا سکتے ہیں۔ جہاں جا رہے تھے۔" فاروق نے کہا۔

"ارے۔ میں تو بھول ہی گیا۔ م۔ مجھے تو ہسپتال جانا تھا۔ وہاں میرے ایک عزیز زخمی پڑے ہیں۔ جلدی اُتریے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ آپ کا یہ ساتھ یاد رہے گا۔" فاروق نے کہا اور کار سے اُتر گیا۔

وہ آگے بڑھ گیا۔

فاروق نے ایک ٹیکسی پکڑی اور ڈاکٹر اقرار صابر والی سڑک پر پہنچا۔ یہاں اب پولیس ہی پولیس نظر آ رہی تھی۔ حادثے نے سنسنی پھیلا دی تھی۔ اس نے محمود، فرزانہ اور محمد حسین آزاد کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، پھر گلی میں داخل ہوا۔ اور یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ محمد حسین آزاد وہیں ٹہل رہا تھا۔

"اوہو۔ آپ آ گئے۔"

"ہاں! محمود اور فرزانہ کہاں ہیں؟"

"ابھی تک اندر ہی ہیں۔ پتا نہیں ڈاکٹر اقرار صابر سے کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ اتنی لمبی باتیں میری سمجھ سے تو باہر ہیں۔" محمد حسین آزاد نے پریشان آواز میں کہا۔

"ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔" فاروق نے کہا اور آگے بڑھ کر گھنٹی کے بٹن پر اُنگلی رکھ دی، پھر محمد حسین آزاد کی طرف مُڑا:

"جیپ کے بارے میں پولیس کو بتا دیا ہے نا؟"

"ہاں! پوری بات ان کو بتا چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" فاروق نے سر ہلایا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک مُلازم کی شکل دکھائی دی:

"اندر میرے بھائی اور بہن ڈاکٹر صاحب کے پاس موجود

ہیں ۔ مجھے بھی ان کے پاس پہنچا دیں ۔ شکر گزار ہوں گا ۔"

"آپ کا نام ؟"

"فاروق ۔" اس نے کہا۔

"میں ابھی اجازت لے کر حاضر ہوتا ہوں۔"

فاروق چند لمحوں بعد اس کے پیچھے چلتا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو کمرے میں موت کا سناٹا طاری تھا ۔ اور ڈاکٹر اقرار صابر بالکل ساکت بیٹھے تھے ۔

اِدھر اُدھر کی

"خیر تو ہے ۔ یہاں کوئی ناخوش گوار بات تو نہیں ہو گئی؟"

"آؤ فاروق ۔ بیٹھو۔" محمود نے کہا۔

"اوہ ۔ ہاں ۔ کیا کر رہے تھے آپ ۔ تو یہ آپ کے بھائی ہیں ۔"

"جی ہاں ! میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ چار آدمی جو سلمان بھائی کو لے کر پروفیسر مونگا تک گئے ۔ ان میں سے ایک آپ کا ڈرائیور انور بخاری تھا ۔"

"نہ جانے کیا بات ہے ۔ مجھے اس بات پر یقین نہیں آ رہا ۔"

"فوجی کے بتائے ہوئے حلیے کی رو سے تو بات یہی بنتی ہے۔" محمود نے کندھے اچکائے ۔

"ویسے ۔ اس وقت وہ یہاں کیوں آیا تھا؟" فرزانہ نے پوچھا ۔

"یہاں۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے اسے فون کیا تھا ۔۔
کہ اس کی ضرورت ہے۔ مجھے کہیں جانا تھا۔ وہ آیا ضرور۔
لیکن اپنے بھائی ریاض کوکی کی گم شدگی کے بارے میں بتا
کر چلا گیا۔ لہٰذا میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور
اپنا پروگرام ختم کر دیا۔"

"کیوں۔ کیا آپ کو کار چلانا نہیں آتی؟" فاروق نے پوچھا۔

"چلا لیتا ہوں، لیکن ایک بار ایک ایکسیڈنٹ کر بیٹھا تھا،
اس دن سے ڈر لگنے لگا ہے۔ بس پرہیز ہی کرتا ہوں۔" ڈاکٹر
اقرار صابر نے بتایا۔

"ہوں۔ اچھا جناب۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔"

"ارے بس۔ چل دیے آپ۔"

"جی ہاں! ابھی آپ اپنے ڈرائیور سے کچھ نہ پوچھیے گا ۔۔
کہیں وہ ہوشیار نہ ہو جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اگر وہ مجرم ہے تو مجھے اس کی ذرا بھی
پروا نہیں ہوگی۔"

"شکریہ!" تینوں ایک ساتھ بولے۔ جانے کے لیے مڑے ہی
تھے کہ فرزانہ کو کچھ خیال آیا۔ رکتے ہوئے بولی:

"تو اس کے گھر میں فون بھی ہے؟"

"کس کے۔ انور بخاری کے؟" ڈاکٹر [illegible]

"ہاں!" فرزانہ نے یہ کہتے ہوئے بغور ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

"ہاں! پہلے نہیں تھا۔ میں نے ہی لگوا کر دیا ہے، کیوں کہ
فون کے بغیر میں اسے فوری طور پر نہیں بلا سکتا تھا۔ اب جب
اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلا لیتا ہوں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ اچھا جناب۔ بہت بہت شکریہ۔"

وہ وہاں سے نکلے اور محمد حسین آزاد کو ساتھ لے کر دوسری
سڑک کی طرف چل پڑے:

"ہاں بھئی فاروق۔ کیا رہا؟"

"انور بخاری واقعی ان چار میں سے ایک ہے۔ جو سلمان بھائی
کو پروفیسر مونگا تک لے کر گئے۔ اور وہ اپنے ساتھیوں کو
ہماری طرف سے خبردار کرتا پھر رہا ہے، بلکہ سب سے پہلے
اس نے اپنے باس کو اطلاع دی اور باس نے اس کار والے
کو ہمارے پیچھے لگایا جس نے بم جیپ پر مارا۔"

"ہوں! گویا ہمارے لیے اس وقت سب سے اہم آدمی انور
بخاری ہے۔ اس کے ذریعے ہی ہم مجرم تک پہنچ سکتے ہیں،
لیکن اس میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات ایک اور ہے۔"
فرزانہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟" محمود نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

"ہم ریاض کوکی کی تلاش میں اس کے گھر گئے تھے۔ وہاں

انور بخاری سے ملاقات ہوئی، اس نے بتایا تھا کہ ریاض کوکی اس کا بھائی ہے اور سلمان بھائی کے ساتھ دوسرے شہر گیا ہے، لیکن حالات اور واقعات یہ بتا رہے ہیں کہ ان چار آدمیوں میں سے ایک انور بخاری تھا جو سلمان بھائی کو لے کر پروفیسر مونگا تک گئے۔ کار میں تو ریاض کوکی بھی موجود تھا۔ پھر۔۔ کیا انور بخاری نے ریاض کوکی۔ یعنی۔ اپنے بھائی کو پہلے ہی اس منصوبے میں شامل کر رکھا تھا اور اسی لیے اب ریاض کوکی غائب ہے۔"

"واقعی یہ بہت اہم بات ہے اور اس کے بارے میں بھی ہمیں انور بخاری سے ہی پتا چل سکتا ہے۔"

"تو پھر ہمیں فوری طور پر انور بخاری تک پہنچ جانا چاہیے۔ کہیں وہ بھی ریاض کوکی کی طرح غائب نہ ہو جائے۔"

وہ انور بخاری کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ دروازے پر پہنچ کر انھوں نے دستک دی، لیکن کوئی باہر نہ نکلا، پھر دستک دی۔ تیسری بار دستک دینے کے بعد بھی جب کوئی آتا نظر نہ آیا تو انھوں نے اِدھر اُدھر سے مکان کا جائزہ لیا اور آخر ایک کھلی کھڑکی پر نظر پڑی۔

"اس کا مطلب ہے۔ وہ بھی غائب ہو چکا ہے۔"

"پہلے اندر دیکھ لینا چاہیے۔" فرزانہ نے کہا۔

وہ کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہوئے۔ مکان سنسان پڑا تھا۔ اسے بہت جلدی میں خالی کیا گیا تھا۔"

"چوٹ ہو گئی۔ ہمیں اس کا تعاقب نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔" فاروق نے کہا۔

"اور یہ غلطی تمھاری ہے۔"

"چلو میری ہی سہی۔ اب تو ہو گئی۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"اب ہمیں غنڈوں کی بستی کا رخ کرنا چاہیے۔ شاید اس غنڈے سے کچھ معلوم ہو سکے۔ آخر وہ بھی ان چار میں سے ایک ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

انھوں نے پھر ایک ٹیکسی لی اور غنڈوں کی بستی پہنچے، لیکن اس غنڈے کا گھر بھی خالی ملا۔

"نہیں بھئی۔ ہم سے غلطی ہو چکی ہے۔ ہم سب سراغ کھو بیٹھے ہیں۔" محمود مایوسانہ انداز میں بولا۔

"پھر اب کیا کیا جائے؟"

"سوائے اس کے ہم کیا کر سکتے ہیں کہ گھر چلیں اور ابا جان کو ساری کہانی سنائیں۔ شاید وہ کوئی راستا نکال لیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

وہ گھر پہنچے۔ دروازہ ان کی امی نے کھولا۔

"ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز آ رہی ہے ، اس کا مطلب ہے - ابّا جان آ چکے ہیں اور سلمان بھائی سے بات چیت میں مصروف ہیں۔" فاروق بولا۔

"ہاں ! اور بے چینی سے تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔" بیگم جمشید نے کہا۔

"اوہو اچھا - آؤ بھئی جلدی کرو۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

تینوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے - انھیں دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید بول اُٹھے :

"لیجیے آ گئے - ارے مگر - تم لوگوں کے منہ کیوں لٹکے ہوئے ہیں - معلوم ہوتا ہے - ناکام لوٹ آئے ہیں۔"

"ہمارے خیال میں اسے ناکامی ہی کہا جا سکتا ہے۔"

"بیٹھو بیٹھو - مایوسی ٹھیک نہیں - مجھے بتاؤ - اپنے بارے میں سلمان بھائی صاحب ساری تفصیل مجھے سنا چکے ہیں - لہٰذا اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں - بس خیال رہے - کوئی معمولی سے معمولی بات بھی رہنے نہ پائے۔"

"جی بہتر !" محمود نے کہا۔

اور پھر تینوں نے ہر بات انھیں بتا دی - انسپکٹر جمشید بغور سنتے رہے - ان کے خاموش ہونے کے بعد تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے ، پھر اچانک بھرپور انداز میں مسکرا دیے اور

بولے :

"آؤ چلیں - میں نے جان لیا ہے کہ مجرم کون ہے۔"

★

وہ بھونچکے رہ گئے -

"آپ نے کیا فرمایا - پہچان لیا ہے۔"

"ہاں ! بس تم اُٹھ جاؤ - اور سلمان بھائی صاحب - آپ یہیں آرام کریں۔"

"بہت بہتر !" اس نے کہا۔

وہ گھر سے نکلے ہی تھے کہ انسپکٹر جمشید بولے :

"میں ذرا اکرام کو بھی فون کر دوں !" یہ کہہ کر وہ پھر اندر چلے گئے - تین منٹ بعد ان کی واپسی ہوئی - اور وہ جیپ میں روانہ ہوئے :

"کچھ ہمیں بھی تو بتائیے - آپ کیا سمجھ گئے ہیں۔"

"یہ کہ - لیکن نہیں - اس طرح مزا نہیں آئے گا - بھئی کچھ دیر صبر ہی کر لو۔"

"بہت بہتر - صبر تو آپ ہم سے ہر کیس میں ہی کراتے ہیں۔" فاروق نے جل کر کہا۔

انسپکٹر جمشید مسکرا کر رہ گئے۔ وہ گھر سے روانہ ہوئے تو
راستے میں ہی اکرام اور پولیس کی ایک گاڑی ان کے ساتھ
آ شامل ہوئی۔

"آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ ریاض کوکی کیوں غائب ہے،
اور کہاں ہے۔"

"ہاں بالکل۔ اس کا حلیہ تم نے یہی بتایا تھا نا۔ دبلا پتلا
جسم۔"

"جی ہاں۔ بالکل یہی۔"

"اب ذرا غور کرو۔" وہ مسکرائے۔

"جی۔ کس بات پر غور کریں؟" فرزانہ نے بے تابانہ کہا۔

"اس بات پر کہ سلمان بھائی ایک بھاری بھرکم آدمی تھے۔
ان کے چہرے کی طرح ان کا جسم بھی بھاری بھرکم تھا، لیکن
اب ان کے چہرے کے نیچے ایک دبلا پتلا جسم ہے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! میرا خیال یہی ہے۔ کہ اسی ڈاکٹر نے سلمان بھائی کے
چہرے کے نیچے ریاض کوکی کا دھڑ جوڑا ہے۔"

"اور۔ اور ریاض کوکی۔" وہ کانپ اٹھے۔

"دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو ریاض کوکی کے چہرے
کے نیچے اب سلمان بھائی کا دھڑ لگا ہوا ہے۔ یا پھر وہ مر

چکا ہے۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ مر چکا ہے۔
کیوں کہ ایسے تجربات میں دونوں آدمی زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ
تجربات تو دراصل ہیں ہی اسی غرض کے لیے کہ ایک آدمی کا
دھڑ کسی حادثے میں بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ اور دوسری
طرف کسی کا سر کچلا گیا ہے۔ جس کا سر کچلا گیا ہے۔ اس
کا دھڑ درست سر والے پر فٹ کر دیا جائے۔"

"ہوں۔ یہ تجربہ ایک طرح سے ہے تو مفید، لیکن اس طرح
غلط فائدہ اٹھایا جائے گا۔" فرزانہ نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ یہ ضروری تو نہیں کہ جس وقت کسی کا دھڑ
بے کار ہو، اسی وقت کسی کا سر بے کار ہوگا۔ لہٰذا ایسے
لوگ زندہ سلامت انسانوں کو اپنے تجربے کی بھینٹ چڑھائیں گے،
یعنی کسی دولت مند کا دھڑ بے کار ہو گیا۔ سر درست ہے۔
اب وہ کسی کو اغوا کریں گے اور اس کا دھڑ کاٹ کر دولت مند
کے سر کے نیچے لگا دیں گے۔ اور ایسا کرنا ظلم ہوگا۔ قانون
اس کی اجازت کسی صورت بھی نہیں دے سکتا۔"

"ہوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔ ریاض کوکی تجربے کی بھینٹ چڑھ چکا
ہے۔ ارے لیکن۔ انور بخاری نے اپنے بھائی کے ساتھ یہ ظلم
کس طرح برداشت کر لیا۔"

"یہ صرف انور بخاری کا بیان ہے کہ ریاض کوکی اس کا بھائی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے۔ وہ آپس میں بھائی ہرگز نہیں ہیں۔ ہاں ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے مل کر کرائے پر مکان لے رکھا ہوگا۔ انور بخاری کا تعلق اسی ڈاکٹر سے ہے گیا۔ اسے تجربہ کرنا تھا اور اس کے لیے اسے دو آدمیوں کی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر نے اپنے لوگوں کو پہلے ہی اس ضرورت سے باخبر کر رکھا تھا۔ ریاض کوکی نے انور بخاری سے ذکر کیا ہو گا کہ وہ سلمان بھائی کے ساتھ تین دن کے لیے باہر جا رہا ہے۔ یہ اطلاع انور بخاری نے ڈاکٹر کو دی۔ ڈاکٹر نے فوراً اسے ہدایات دے دیں کہ ان دونوں کو اغوا کر لیا جائے۔"

"ل۔ لیکن۔ ابا جان۔" فاروق ہکلایا۔

"کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"فوجیوں نے تو ایک بے ہوش آدمی کو لے جاتے دیکھا تھا۔"

جواب میں انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔ اور منہ سے کچھ نہ بولے:

"آپ کی مسکراہٹ بہت پُر اسرار ہے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں! یہ موقع پُر اسرار مسکراہٹ کا ہی ہے۔"

"ارے۔ یہ۔ یہ کیا۔ یہ ہم کس طرف نکل آئے۔ ہائیں۔"

فاروق نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

انھوں نے بھی نظریں اوپر اٹھائیں۔

"اکرام۔ تمھارے ماتحت اپنا کام کر چکے ہوں گے یا نہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی ہاں! بالکل کر چکے ہوں گے۔ میں نے انھیں پوری طرح ہدایات دے دی تھیں۔"

"بہت خوب۔ تب تو ہم بہت بے فکری سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔"

وہ جیپ سے اور پولیس والے گاڑی سے نیچے اترے اور ناکہ بندی کے انداز میں آگے بڑھنے لگے۔

ادھر وہ تینوں اور اکرام انسپکٹر جمشید کے ساتھ آگے بڑھے۔ اور دروازے کی گھنٹی بجا دی۔

جلد ہی دروازہ کھلا اور چٹانوں کی بیٹی یعنی زوبی کا چہرہ دکھائی دیا:

"ارے۔ آپ لوگ۔ تو وہی ہیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں زوبی صاحبہ۔ ہم وہی ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن یہ دونوں کون ہیں۔ پہلے تو یہ آپ کے ساتھ نہیں آئے تھے۔"

"یہ ہمارے ابا جان اور یہ انکل ہیں۔ پہلے یہ نہیں آئے

تھے۔ اسی لیے تو ہم انھیں اب لائے ہیں۔ یہ آپ کے ڈیڈی سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بہت اچھا۔ آجائیں اندر۔ انھیں اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے۔"

زوبی انھیں لے کر سیدھی پروفیسر مونگا کے کمرے میں داخل ہوگئی۔ پروفیسر مونگا ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کا منہ بھی دیوار کی طرف تھا۔ قدموں کی آواز سن کر بھی اس نے مڑ کر نہ دیکھا۔ آخر زوبی کھنکاری۔

"کیا بات ہے زوبی؟"

"یہ لوگ آئے ہیں ڈیڈی۔"

"کک۔ کون لوگ۔" پروفیسر مونگا کے منہ سے نکلا اور پھر وہ تیزی سے مڑا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہوگئے، پھر وہ بولا:

"یہ۔ یہ لوگ تو وہی ہیں اور یہ شاید انسپکٹر جمشید ہیں۔ ان صاحب کو میں نہیں پہچانتا۔" پروفیسر مونگا نے اکرام کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ میرے اسسٹنٹ ہیں، سب انسپکٹر اکرام۔ پروفیسر صاحب!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فرمایئے۔ کیسے تکلیف کی؟"

"آپ کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑا۔

"اس لیے کہ سلمان بھالی اور ریاض کوکی والا تجربہ آپ کے علاوہ اور کسی نے نہیں کیا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ حکومت نے اس طرف کوئی فوجی مقرر نہیں کر رکھے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا!!!" محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

★

"ہاں! وہ فوجی نقلی فوجی تھے اور پروفیسر نے نگرانی کے لیے انھیں مقرر کر رکھا تھا۔"

"لیکن وہ اس وقت کیوں نظر نہیں آئے؟"

"اکرام کے ماتحتوں نے پہلے ہی انھیں نہایت خاموشی سے گرفتار کر لیا ہے۔ اس قدر خاموشی سے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔"

"اوہ۔ حیرت ہے۔" فاروق بولا۔

"ہاں! بات تو خیر حیرت کی ہی ہے۔ اور ابھی تو جب یہ

کہانی اخبارات میں شائع ہو گی تو اس وقت عوام کی حیرت دیکھنے والی ہو گی۔"

"ایک سوال اور ابا جان۔ یہاں تو فون ہی نہیں ہے۔ یہ اپنے ماتحتوں کو ہدایات کس طرح دیتا تھا؟"

"وائرلیس کے ذریعے۔ یہ آج کل کیا مشکل ہے۔"

"ہوں!"

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور بہت سے کانسٹیبل اندر داخل ہو گئے۔

"اچھی طرح تلاشی لو۔ اس عمارت میں کوئی اپریشن تھیٹر ضرور ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوکے سر۔" انھوں نے کہا اور ایڑیاں بجنے لگیں۔

اور پھر کافی تلاش کے بعد اپریشن تھیٹر مل گیا۔ اس میں سے سلمان بھالی کا دھڑ اور ریاض کوکی کا سر مل گیا۔ وہ ان دونوں چیزوں کو دیکھ کر لرز اٹھے، تاہم اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ پروفیسر مونگا ماہر ترین سرجن ضرور تھا۔

"کاش۔ یہ شخص حکومت کی سرپرستی میں جائز طریقے سے ان تجربات کو دہراتا اور کامیابی حاصل کرتا، لیکن اس نے مجرمانہ طریقہ اختیار کیا۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

ایک سب انسپکٹر نے پروفیسر کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا

دیں۔ اس کی بیٹی اور بیوی کو بھی گرفتار کر لیا گیا، کیوں کہ وہ بھی ان تجربات میں ڈاکٹر کی شریک تھیں۔ اگر شریک نہیں تھیں تو انھیں پولیس کو اس جرم کی اطلاع دینا چاہیے تھی۔

"یہ قصہ تو ہو گیا ختم۔ اب سلمان بھالی کا کیا بنے گا۔ وہ تو اس پتلے دبلے دھڑ کے ساتھ بہت عجیب و غریب۔ بلکہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ نظر آنے لگے ہیں۔" محمود بولا۔

"ان کے سلسلے میں ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"کچھ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ انھیں ان کے گھر ضرور لے جا سکتے ہیں اور ان سے کر سکتے ہیں۔ یہ جیسے بھی ہیں۔ جس قسم کے بھی ہیں۔ آپ کے اپنے ہیں۔ انھیں قبول کر لیجیے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں! بات ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

"غلط بات تو کہنے کی مجھے عادت ہی نہیں ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں ابا جان۔"

"اور یہ اِدھر اُدھر کی باتیں۔ کیا غلط باتیں نہیں ہوتیں۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"نہیں۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں اور غلط باتوں میں بہت فرق ہے۔ کیوں محمود۔ تمھارا کیا خیال ہے؟" فاروق نے محمود سے پوچھا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"یہ تم نے 'ہاں' میں جواب دیا ہے یا 'نہیں' میں۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

محمود نے تلملا کر اس کی طرف دیکھا۔ ادھر پولیس گرفتار شدگان کو باہر لے جا رہی تھی۔

○

آیندہ خاص نمبر کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید
آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا
شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

38 واں خاص نمبر

"دنیا کے اس پار"

اشتیاق احمد

- ○ ایک مشین جو مرضی کے خواب دکھا سکتی ہے!
- ○ پستول جن سے آگ نکلتی تھی... لیکن کیسی آگ!
- ○ دنیا موت کے دہانے پر!
- ○ راٹور سے ملیے... راٹور کی پہلے آپ صرف جھلک ہی دیکھتے رہے ہیں... اس بار کھل کر ملاقات ہو رہی ہے!
- ○ ایک عجوبہ دشمن!
- ○ ایک پھول جو پوری دنیا میں کہیں نہیں اگتا تھا... ان کے ہاتھ کیسے لگ گیا!
- ○ فرش پر پڑی چیز کو دیکھ کر انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے!
- ○ راٹور سے یہ ملاقات آپ کو یاد رہے گی!
- ○ راٹور سے پہلی جھڑپ کس قدر دلچسپ ہوئی... آپ سوچ بھی

نہیں سکتے!

- ○ اپنے گھر میں وہ راڈور کے مقابلے میں بالکل بے بس تھے!
- ○ انسپکٹر کامران مرزا اپنے ملک کے ایک ایئرپورٹ پر اترے تو پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا!
- ○ دنیا کے اس پار کیا تھا۔ ایک ہولناک سوال!
- ○ جمال اور اقبال بھی آ رہے ہیں۔ وہ ان کے دوست یا دشمن۔ انوکھے روپ میں!
- ○ جب فاروق ان سب پر اداسی کا دورہ مسلط کرنے پر تل گیا!
- ○ انسپکٹر جمشید چھلانگ لگا کر باہر نکل گئے۔ یہ کہتے ہوئے کہ خطرہ سر پر آ پہنچا ہے!
- ○ خواب دکھانے والوں سے ملیے۔ آپ کی ملاقات اگر ان سے ہو جائے تو آپ کس قسم کا خواب دیکھنا پسند کریں گے!
- ○ ایک پھول کی کہانی۔ جو لوگوں کو بے ہوش کر دیتا تھا!
- ○ انسپکٹر جمشید گھر پہنچے تو وہاں کا منظر خوفناک تھا۔ انہیں ایک سرد آواز سنائی دی۔ وہ اس آواز کو بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ آواز نے ان کے رونگٹے کھڑے کر دیے!
- ○ صدر صاحب کا فون انہیں ملا تو ان کی آواز میں بے پناہ خوف تھا!
- ○ صدر نے انہیں ایک چیز دکھائی۔ ان کی سٹی گم؟
- ○ اور جب وہ زمین سے باہر نکل گئے!
- ○ زمین سے باہر کیا تھا۔ آپ اپنے سانس رکتے محسوس کریں گے!
- ○ ایک نئی مخلوق سے ملیے۔ انوکھی مخلوق۔ ان سے زیادہ طاقت ور، سائنس میں بھی ان سے کہیں زیادہ آگے۔ ان کے پاس شعاعی پستول تھے۔ ان سے شعاعیں نکلتی تھیں۔ اس کے پاس ایسی کاریں تھیں۔ جن پر بم تک اثر نہیں کرتے تھے۔ جو سمندر میں بھی تیر سکتی تھیں۔ پہاڑوں سے ٹکرا سکتی تھیں۔ اور پھر یہ مخلوق تھی کتنی تعداد میں۔ اربوں کی تعداد میں۔ اربوں کی تعداد کے مقابلے میں آپ کے پیارے کردار کتنی تعداد ہوئے!
- ○ انہیں اربوں کی تعداد میں اس مخلوق سے ٹکرانا تھا۔ اس کا انتظام کرنا تھا!
- ○ راڈور پوری طرح میدان میں۔ وہ اس مخلوق کا ساتھی اور ان کا دشمن!
- ○ ایک راڈور کا مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اوپر سے اربوں کی تعداد میں نئی مخلوق۔ اس سے بڑی مشکل ان کے لیے اور کیا ہو سکتی تھی!
- ○ لیکن موت کے لمحات میں بھی ان کی باتیں آپ پڑھیں گے۔ جو جاری تھیں۔ آپ کے محبوب کردار موت کے منہ میں بھی مسکرا سکتے تھے۔ باتیں کر سکتے تھے!
- ○ ٹی ایس ایم اور جن چم پانگ، منور علی خان کے ساتھ ہوائی جہاز کا سفر کرتے ہیں!
- ○ آپ کو یہ سفر بھی مسکرانے پر مجبور کر دے گا!

- انسپکٹر جمشید جم پانگ سے ایک کام لینے پر مجبور ہو گئے... وہ کام کیا تھا؟
- جیل کی کوٹھڑی میں سانپ موجود تھے... اسی کوٹھڑی میں انھیں رہنا تھا!
- شوکی برادرز نئے انداز میں... رفعت کے ساتھ!
- جب رانور کی ایک جھرجھری نے انھیں دور پھینک مارا!
- نئی مخلوق نے ان کی دنیا میں قدم رکھا اور ایک انسان پر شعاعی پستول سے فائر کیا... تو وہ راکھ بن گیا!
- لیکن جب انسپکٹر جمشید کی ترکیب سے نئی مخلوق میں سے ایک راکھ بنا تو...
- اس راکھ سے انھیں ایک چیز ملی... وہ چیز کیا تھی؟
- شوکی کے دفتر میں آنے والے آدمی کا نام لون خا تھا!
- ایک ناول جو دنیا کے باہر آپ کو لے جائے گا... ہے نا عجیب بات!
- اور جب سمندر کی تہ میں کھدائی کی گئی؟!
- دنیا کا آٹھواں عجوبہ جب ان کے سامنے آیا!
- نیلا عذاب کیا تھا؟
- آپ کے کرداروں کے بیوی بچے انشارجہ کے قبضے میں!
- رانور نے جب انھیں لڑنے کی دعوت دی... آپ کے دل اچھل کر حلق میں آ جائیں گے!
- ایک یادگار خاص نمبر!

قیمت - /120 روپے... 20 جون کو پڑھیں

ان کی کہانیوں کے کردار شرارتیں کرنے پہ آئیں تو گمان گزرتا ہے
کہ لکھنے والا انہی شرارتوں سے بھی بنا ہے جو ہر ادا نرالی اور ہر انداز
مسکراہٹ لیے ہے۔ سائنس کی باتیں کرنے لگیں تو یقین کرنا مشکل ہو جاتا
ہے کہ کسی خفیہ اور پوشیدہ سائنسی نسخوں کے خزانے تک رسائی رکھے بغیر
بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ مگر بڑی بات تو یہ ہے کہ اشتیاق احمد کے ذہن کی
رسائی ہر اس خوبصورت اور نازک مقام تک ہے جہاں بہت سوں کے پر
جلنے لگتے ہیں۔ وہ خوش بخت ہیں کہ انہیں بے شمار پڑھنے والے ہی نہیں
ان کی طرح سوچنے اور انہیں سمجھنے اور پیار کرنے والے مل گئے ہیں...
جنہیں اپنی آنکھوں اور ان کے لکھے لفظوں کا عکس ایک سا لگتا ہے۔ یہی
وہ مقام ہوتا ہے جہاں پڑھنے والا لفظوں سے تعریف اور دعا نہیں کرتا بلکہ
اس کا چہرہ بتاتا ہے کہ رواں رواں مصروف دعا ہے۔
اختر عباس
ANDAZ
PUBLICATIONS